بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
تحقیقی وتوقیتی مطالعہ: مکی دور

اٹھارویں قسط

پروفیسر ظفر احمد

Abstract

Al-Seerah Al-Nabaviyyah:Analytical & chronafogical study It is the 18th part of a long chain of articles. The existing one is in continuation of the previous topic. Having completed the remaining positions of the previous article, the writer has started discassion on Qad,yaniat i-e. The false, deceitful & bogus prophet hood of Mirza Ghulam Ahmad Qadiani under Tashqeeq Jadali (Point wise analysis) aiming at the discrimination between the right & the wrong. There runs in the article an analytiche & logical process under the guidance of the Holy Quran & Sunnah.

علم غیب کلی اور اس کے متعلقات تشقیق جدل کے آئینے میں

تیسرا حصہ واقعاتی شواہد بہ حوالہ امم ماضیہ وانبیائے سابقین علیہم السلام: کیا گزشتہ امتوں اور انبیائے سابقین علیہم السلام کے واقعات وحوادث سے یہ بہ خوبی واضح ہوتا ہے یا نہیں کہ عالم الغیب، مختار کل اور حاضر وناظر ہونا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں؟ اگر واضح ہوتا ہے تو یہی حق ہے۔ اگر کہا جائے کہ واضح نہیں ہوتا تو قرآن کریم میں مذکور متعلقہ واقعاتی شواہد سے اس قول کی بھرپور نفی، ہوتی ہے۔ ان واقعاتی شواہد میں سے کچھ یہاں پیش کئے جارہے ہیں:

۱۔ بہ حوالہ حضرت آدم علیہ السلام: حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہ السلام بہ حکم الٰہی جنت میں مقیم تھے۔ اُنہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جنت میں فلاں درخت کے قریب نہ جانا ورنہ نقصان اُٹھانا پڑے

گا۔ بعد کے سلسلہ واقعات میں ابلیس نے جھوٹی قسمیں کھا کر اُنہیں یقین دلایا کہ یہ ممانعت ایک خاص وقت تک تھی۔ اب اس کے کھانے سے تم دونوں ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہ السلام دونوں اس کے فریب میں آ گئے اور شجر ممنوعہ کو چکھنے سے اُنہیں جنت سے زمین پر آنا پڑا، انہوں نے اپنی اس اجتہادی خطا پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم الغیب بنایا گیا ہوتا تو وہ ہرگز ابلیس کے دھوکے میں نہ آتے اور ابلیس کے ظاہر و باطن کا تضاد آپ سے ہرگز مخفی نہ ہوتا۔ اسی طرح حضرت حوا علیہ السلام بھی غیب دان اور حاضر و ناظر نہ تھیں۔ اس سے پہلے جب ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیہ ارضی بنانے کی حکمت دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اور اللہ نے آدم کو سارے (متعلقہ) نام سکھا دیئے۔ پھر فرشتوں سے یہ نام پوچھے تو وہ نہ بتا سکے، آدم علیہ السلام نے بتا دیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تو تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔ (ا/الف) تعلیم اسما کا یہ واقعہ پہلے کا ہے۔ ابلیس کا حضرت آدم وحوا علیہم السلام کو دھوکہ دینے کا واقعہ بعد کا ہے۔ اگر تعلیم اسما سے حضرت آدم علیہ السلام عالم ماکان ومایکون ہو چکے ہوتے تو ابلیس کے دھوکے میں آ کر شجر ممنوعہ کے پاس نہ جاتے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا میں لفظ ''کل'' سے استغراق حقیقی مراد نہیں ہے بل کہ صرف متعلقہ چیزوں کے نام مراد ہیں۔ سورہ نمل میں ملکہ سبا کے متعلق ہے۔ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ (ا/ب) کہ ملکہ کو ہر چیز دی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے کے مطابق جو بھی لوازمات حکومت تھے وہ سب اسے حاصل تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ مثلاً اسے نبوت بھی دی گئی تھی یا مثلاً اسے داڑھی اور مردانہ اعضاء بھی دیئے گئے تھے۔ حضرت آدم وحوا علیہم السلام کے اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی عالم الغیب نہیں ہیں۔

۲۔ بہ حوالہ حضرت نوح علیہ السلام: حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا طوفان میں غرق ہو گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ میرا بیٹا میرے گھرانے میں داخل ہے اور میرے گھرانے کے لئے تو نے نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت تنبیہ ہوئی کہ ''اے نوح! تیرا بیٹا تیرے گھر والوں میں (شامل) نہیں ہے، اس کے عمل خراب ہیں، سو تو مجھ سے ایسی چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں مبادا کہ تو نادانوں میں سے ہو جائے۔ (نوح نے) کہا اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں تجھ سے (آئندہ) ایسی چیز طلب کروں جس کا مجھے علم نہ ہو اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا''۔ (ا/ج)

حضرت نوح علیہ السلام کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر بنایا گیا ہوتا تو آپ اپنے بیٹے کے کفر و نفاق پر مرنے سے پوری طرح باخبر ہوتے اور اس کا ظاہر و باطن آپ سے مخفی نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کا سوال مجھ سے نہ کرنا۔ عالم الغیب کو تو پہلے ہی سے سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ہرگز علم نہیں تھا کہ بیٹے کے حق میں میری دعا اور سفارش اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئے گی۔ حضرت نوح علیہ السلام مختار کل ہوتے تو بیٹے کو صراط مستقیم پر لے آتے بل کہ پوری قوم کو سیدھی راہ پر لے آتے اور انہیں طوفان میں غرق نہ ہونے دیتے، حال آں کہ ان ایام میں حضرت نوح علیہ السلام اپنا فریضہ منصبی ادا کر چکے تھے اور قوم پر حجت پوری کر چکے تھے، لہٰذا یہ سمجھنا قطعاً غلط اور خلاف حقیقت ہے کہ پیغمبر کو علم الغیب بہ تدریج دیا جارہا ہوتا ہے اور بالآخر وہ مکمل غیب دان ہو جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جو لوگ آپ پر ایمان لا چکے سو لا چکے ان کے بعد ہرگز آپ کی قوم میں سے کوئی اور آپ پر ایمان نہیں لائے گا۔ (۲/الف) اسی علم کی بناء پر آپ نے بالآخر جب قوم کے لئے بددعا کی تو یہ بھی کہا کہ اے اللہ! اگر تو نے انہیں زندہ رکھا تو یہ کفار و فجار کو ہی جنم دیں گے۔ (۲/ب) اس سے آپ کو عالم جیسے ماکان و مایکون ثابت کرنا کج فہمی ہے۔ طوفان کے موقع پر آپ کا اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرنا بعد کا واقعہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ کی گئی۔ اگر پہلے کے کسی واقعے سے آپ عالم الغیب ہو گئے ہوتے تو یہ دعا نہ مانگتے۔

۳۔ **بہ حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہوں۔ پیغمبر کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ دونوں باپ بیٹا حکم کی تعمیل پر راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! بس رہنے دے، تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معجزانہ طور پر دنبہ عطا فرمایا کہ بیٹے کی جگہ اس دنبے کو ذبح کیا جائے۔ اسی واقعے کی بناء پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بہت بڑی آزمائش قرار دیا جس میں وہ پورے اُترے۔ (۲/ج) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اگر عالم جمیع ماکان و مایکون بنایا گیا ہوتا تو اس واقعے کو آزمائش قرار دینا ہرگز درست نہ ہوتا۔ ایسی نام نہاد آزمائش کو پورا کرنے کے لئے عام لوگوں میں بھی دوڑ لگ جائے گی کہ بیٹا تو ذبح ہوگا نہیں بل کہ پلا پلایا دنبہ مل جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے قریب چھوڑ آئے۔ یہ علاقہ ان دنوں بالکل غیر آباد اور

سنسان تھا۔ یہ ایک بے آب وگیاہ وادی تھی۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند دنوں کے خورد ونوش کا سامان تھا۔ پانی ختم ہونے پر بچے کی پیاس کو برداشت نہ کرسکیں اور نہایت پریشانی کے عالم میں پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے کہ شاید کہیں پانی مل جائے یا کوئی انسان نظر آئے تو اس سے پانی حاصل ہوسکے لیکن پانی نہ ملنے پر پریشانی کی حالت میں بچے کے پاس واپس آئیں تو جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے معجزانہ طور پر پانی جاری ہونے لگا جسے آب زم زم کہا جاتا ہے۔ اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا اور اُنہیں حاضر وناظر بنایا گیا ہوتا تو اُنہیں سارے حالات کا پہلے ہی سے پورا پورا علم ہوتا اور پریشانی ومشقت سے وہ محفوظ رہتیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مدت العمر اپنے کافر باپ آذر کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہے کہ شاید اسے ہدایت نصیب ہو لیکن وہ حالت کفر ہی میں مرگیا۔ سورہ توبہ میں ہے کہ ''جب اس (ابراہیم) پر یہ بات کھل گئی کہ وہ (آذر) اللہ کا دشمن ہے تو وہ (ابراہیم) اس سے بے زار ہوگیا۔'' (۳/ الف) یعنی آئندہ کے لئے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا چھوڑ دیا۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غیب کلی کا علم عطا کیا گیا ہوتا تو آذر کے کفر پر مرنے کا آپ کو ابتدا ہی سے علم ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ میرے استغفار کو قبول نہیں کرے گا۔ اگر آپ کو مختار کل بنایا گیا ہوتا تو آپ ازخود آذر کو ہدایت پر لے آتے اور جہنم کی بہ جائے جنت میں داخل ہونے کا اسے اہل بنا دیتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملائکہ انسانی صورت وشکل میں، حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت لے کر آئے تو آپ پہلے پہل اُنہیں پہچان نہ سکے۔ ملائکہ کے بہ جائے اُنہیں انسان سمجھا اور ان کی ضیافت کے لئے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت تیار کرلائے۔ فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو آپ نے دل میں خوف محسوس کیا۔ فرشتوں نے کہا آپ ڈریئے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ یہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے فرشتے ہیں تو ان سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو فرشتوں نے آپ کو حضرت سارہ علیہ السلام کے بطن سے پیا ہونے والے آپ کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی جس پر آپ سخت حیران ہوئے کہ میں تو بہت بوڑھا ہوچکا، اس بڑھاپے میں یہ بشارت کیسی؟ حضرت سارہ علیہ السلام بھی اس بشارت پر ازراہِ تعجب ہنس دیں اور چہرے پر ہاتھ مار کر کہا کہ اس بڑھیا اور بانجھ سے بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ ایسے ہی ہوگا۔ اس گھرانے پر اللہ کی (خاص) رحمت اور برکتیں ہیں۔ یہی فرشتے قوم لوط پر عذاب کے لئے بھی بھیجے گئے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا، حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت اُنہیں مل چکی تو اللہ تعالیٰ سے بہ طور سفارش مجادلہ و

مباحثہ شروع کر دیا کہ قوم لوط پر عذاب نازل نہ کیا جائے لیکن آپ کو بتایا گیا کہ عذاب کا یہ فیصلہ ہو چکا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ (۳/ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مختار مطلق بنایا گیا ہوتا تو عالم شباب میں ہی اپنے لئے اولاد حاصل کر لیتے۔ ان کی اہلیہ حضرت سارہ علیہ السلام بھی جوانی کے ایام میں اولاد کی نعمت سے بہرہ مند ہوتیں۔ آپ اور حضرت سارہ علیہم السلام کو اگر غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کا معینہ وقت، دن مہینے اور سال پہلے ہی معلوم ہوتا۔ اُنہیں فرشتوں کی طرف سے بشارت پر ہرگز تعجب نہ ہوتا بل کہ فرشتوں کے ذریعہ اُنہیں بشارت دینے کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم ہوتا کہ قوم لوط کے بارے میں ان کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق مجادلہ و مباحثہ نہ کرتے۔ اگر آپ کو مختار کل بنایا گیا ہوتا تو خود ہی قوم لوط کو ہدایت پر لے آتے اور عذاب خداوندی سے اُنہیں بچا لیتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ اگر دونوں حاضر و ناظر بنائے گئے ہوتے تو فرشتوں کے انسانی صورت اختیار کرنے اور ان تک پہنچنے کے تمام مراحل از ابتدا تا انتہا ہرگز ان سے مخفی نہ رہ سکتے تھے اور یہ معلوم کرنا ان کے لئے ہرگز مشکل نہ ہوتا کہ یہ ملائکہ ہیں جو انسانی شکل وصورت میں ان کے پاس آئے ہیں۔ اُنہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ فرشتوں کی آمد کا مقصد کیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان سے پوچھنا نہ پڑتا۔ بمطابق بائبل حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ برس چھوٹے تھے اور ان کی ولادت کے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس تھی۔ (۳/ج) یعنی بڑھاپے میں بھی آپ کو عالم جمیع ما کان و ما یکون، مختار کل اور حاضر و ناظر نہیں بنایا گیا تھا لہٰذا فکری لغزشوں میں مبتلا بعض لوگوں کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ پیغمبر کو علم غیب بہ درجۂ دیا جا رہا ہوتا ہے اور بالآخر وہبہ قول ان کے ہمہ دان اور ہمہ بین ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب اپنے باپ آذر سے بحث و مباحثہ چل رہا تھا ان ہی دنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم ابراہیم کو ملکوت السمٰوات والارض (آسمانوں اور زمین کے عجائب) دکھا رہے تھے تا کہ وہ (ان پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت پر) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (۴/الف) اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ثابت کرنا درست نہیں ورنہ سب ہی لوگوں کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننا ہوگا کیوں کہ تمام لوگوں کے متعلق بھی سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''کیا ان لوگوں نے ملکوت السماوات والارض (آسمانوں اور زمین کے عجائب) کو اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں، ان کو دیکھا نہیں؟'' (۴/ب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا کہ اے میرے باپ میرے پاس (اللہ کی

طرف سے) ایسا علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ (۴/ ج) اس سے بھی آپ کا عالم جمیع ماکان ومایکون ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ جو علم دیا جاتا ہے وہ اگر عام لوگوں کو پہلے ہی سے حاصل ہو تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی کیا ہوا؟ حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ غیب کلی کا علم نہیں دیا جاتا بل کہ متعلقہ غیبی جزئیات یعنی دین کے اصول وفروع کا علم دیا جاتا ہے اور پھر ان کے ذریعے عام لوگوں کو ان پر مطلع کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ ''اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے حرمت والے گھر (کعبہ مکرمہ) کے نزدیک ایسی وادی میں چھوڑ دیا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہے۔'' (۵/ الف) سیاق کلام کے لحاظ سے یہ دعا اس وقت کی ہے جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے چناں چہ اسی دعا میں آگے وہ کہتے ہیں کہ ''سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔'' (۵/ ب) ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد مکہ مکرمہ میں آباد نہیں ہوئی لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا میں من ذریتی (اپنی کچھ اولاد) کہنا درست ہوا۔ اگر اصرار کیا جائے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے تو بھی مذکورہ دعا میں اگر ''من'' کو بیانیہ نہ لیا جائے بل کہ اس کے تبعیضیہ ہونے پر اصرار کیا جائے کہ ''من ذریتی'' سے بعض اولاد ہی مراد ہے تو بھی دعا درست ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیم کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بعد میں ان ہی اللہ کی طرف سے حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم ملے گا۔ عام حالات میں عام اسباب کے تحت بیٹے اور بیٹیوں سے نسل کا سلسلہ چلا ہی کرتا ہے اور بہ طور عادت سارے بنی اسماعیل کا ایک ہی شہر میں آباد ہونا ممکن نہیں تھا۔ اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ واقعات اس وقت سے بہت پہلے کے مانتے ہوں گے جب فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس حضرت اسحٰق کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے۔ اگر آپ پہلے کہ کسی بھی واقعے سے یا کسی بھی وقت عالم الغیب اور حضر وناظر بنائے جا چکے ہوتے تو انسانی شکل وصورت میں آنے والے ان فرشتوں کو آپ پہلے ہی سے خوب پہچانتے ہوتے۔ ان کی ضیافت میں بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت نہ لاتے، بیٹے کی ولادت کی بشارت پر حیران ہو کر یہ نہ فرماتے کہ میرے اس بڑھاپے میں یہ بشارت کیسی ہے وغیرہ۔ ان ہیں غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا تو وہ اپنی دعا میں اس پر اللہ کا شکر یوں کرتے کہ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے عالم جمیع ماکان ومایکون، مختار کل حاضر ناظر بنایا ہے۔ اس کی بہ جائے ان کی دعا کا مضمون یہ ہے کہ ''بے شک اللہ پر نہ آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ ہے اور نہ زمین

میں''۔(۵/ ج) وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ان مباحث کے پہلے حصے میں نہایت تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، مخلوق کے لئے غیب کلی کا علم سرے سے کمال ہے ہی نہیں بل کہ سراپا عیب ہے، جیسے تکبر اللہ کے لئے تو کمال ہے اور وہی متکبر ہے، مخلوق کے لئے تکبر سراپا عیب ہے۔

۴۔ بہ حوالہ حضرت لوط علیہ السلام: جو ملائکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے، وہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لانے پر بھی مامور تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد جب یہ فرشتے خوب صورت لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام نے اُنہیں انسان سمجھا۔ آپ نہایت دل گیر ہوئے کیوں کہ قوم کے لوگ سدومیت (مردوں کی مردوں سے بدکاری) کے قبیح ترین گناہ کے عادی تھے۔ لوگوں کو پتہ چلا تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آپہنچے۔ اس پر آن نے ان سے کہا کہ ''اے میری قوم! یہ میری (اپنی اور قوم کی) بیٹیاں موجود ہیں، یہ (بہ صورت نکاح) تمہارے لئے (حلال اور) پاکیزہ ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے کہ تجھے علم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور تجھے پتہ ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ (اس پر لوط نے) کہا، کاش میرا تمہارے مقابلے میں کوئی زور ہوتا یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں جا بیٹھتا۔ (انسانی لبادے میں آنے والے فرشتے) بولے، اے لوط! ہم تو تیرے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک پہنچ نہیں پائیں گے۔ (۶/ الف) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو قوم پر اتمام حجت کے بعد ان کے آخری وقت میں بھی ہرگز عالم جمیع ما کان و ما یکون، حاضر و ناظر اور مختار کل نہیں بنایا گیا تھا ورنہ ملائکہ کے انسانی صورت اختیار کرنے اور ان تک پہنچنے کے تمام مناظر ان سے اوجھل نہ رہتے۔ وہ ہرگز ہرگز پریشان نہ ہوتے۔ مختار کل ہوتے تو قوم کو ہدایت پر لے آتے اور وہ عذاب خداوندی کی مستحق نہ ٹھہرتی۔

۵۔ بہ حوالہ حضرت یعقوب علیہ السلام: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ کو بہت عزیز تھے۔ بھائیوں کو حسد ہوا۔ اُنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق باہم مشورہ کیا۔ بعض کا خیال تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے لیکن بالآخر یہ طے پایا کہ اُنہیں قتل کرنے کی بہ جائے کسی ویران کنویں میں ڈال دیا جائے۔ اُنہوں نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام دل سے نہ چاہنے کے باوجود بھی بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ باہر شکار وغیرہ پر بھیجنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بھائیوں نے طے شدہ منصوبے کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ویران کنویں میں پھینکا

اوران کی قمیص کوخون آلود کر کے گھر آ کر رونے دھونے لگے اور اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جھوٹ بولا کہ ہم تو (شکار کے پیچھے یا ویسے ہی باہم دوڑنے لگے) مسابقت میں لگ گئے، یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا کہ دریں اسے بھیڑیا کھا گیا۔ (شاید) آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے بھی ہوں۔'' (۶/ب) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عالم الغیب اور حاضر وناظر نہیں بنایا گیا تھا ورنہ بیٹوں کی سازش اور ان کے مکر وفریب کے تمام مناظر اور تمام مراحل پر آپ کی پوری نظر ہوتی اور ان کے ظاہر و باطن سے آپ بہ خوبی باخبر ہوتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھی غیب دان اور حاضر وناظر ہوتے تو ان سے بھی کچھ مخفی نہ ہوتا۔ نہ ہی حضرت یعقوب علیہ السلام اُنہیں ان کے بھائیوں کے ہم راہ کرتے اور نہ ہی حضرت یوسف علیہ السلام ان کے ہم راہ چل پڑتے۔ بعد کے سلسلہ واقعات میں حضرت یعقوب علیہ السلام خود حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال لاتے اور اس کنویں کے محل وقوع کا بھی اُنہیں پورا پورا علم ہوتا بل کہ بعد کے تمام واقعات سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر میں پہنچنے اور بعد کے تمام مراحل ومناظر ان سے ہرگز مخفی نہ ہوتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ تعلیم دی ہوتی کہ مجھے غیب کلی کا علم عطا کیا گیا ہے اور میں حاضر وناظر ہوں اور بیٹوں کا ان کے متعلق یہی عقیدہ ہوتا تو وہ ہرگز ہرگز کسی خفیہ سازش کی منصوبہ بندی نہ کرتے اور نہ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر جھوٹ موٹ کی رونی صورت بناتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص کو خون آلود کر کے اپنے باپ سے جھوٹ بولنے اور یہ کہنے کی ہرگز جسارت نہ کرتے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سال ہا سال تک حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے رہے جس سے ان کی بینائی سخت متاثر ہوئی اور ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں۔ (۶/ج) حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں عزیز مصر کے معزز عہدے پر فائز ہو جائیں گے اور نہایت عزت، فارغ البالی اور خوشحالی کے دن گزاریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کوئی تصنع نہیں فرما رہے تھے اور نہ ہی تصنع سے آنکھیں حقیقتاً سفید ہو جایا کرتی ہیں۔ اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش اور برادرانِ یوسف کی اصلاح مقصود تھی، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے معینہ وقت سے پہلے اپنے حالات سے اپنے والد ماجد اور بھائیوں کو مطلع نہ کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنا خواب اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تو اُنہوں نے اس کی عمدہ تعبیر فرماتے ہوئے یہ بھی نصیحت فرمائی کہ اس کا تذکرہ اپنے بھائیوں سے نہ کرنا

ورنہ ہوسکتا ہے کہ وہ تیرے خلاف کوئی خفیہ تدبیر کریں۔ (۷/ الف) یہ نصیحت ظاہری حالات اور قرائن کی بنا پر تھی۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو صاف فرما دیتے کہ تیرے بھائی تجھے کنویں میں پھینک آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو اپنے بھائیوں کے ہم راہ کبھی روانہ نہ ہوتے۔ بھائیوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر گھر آکر باپ سے جھوٹ بولا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اُنہوں نے فرمایا کہ تم نے اپنے دل سے ہی ایک بات بنالی ہے پس صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔ (۷/ ب) حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فرمانا حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پر مبنی تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی تھی ورنہ انہیں ہرگز علم نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام کہاں ہیں۔ نہ ہی آپ مختار کل تھے ایسا ہوتا تو کنویں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکلوا لیتے اور طویل مدت تک ان کے فراق میں رونے دھونے اور رنج وغم میں دن نہ گزارتے جس سے آپ کی آنکھیں سفید ہوگئیں۔ بعد میں جب بنیامین کو مصر میں ہی روک لیا گیا اور بھائیوں نے آکر اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اطلاع دی تو اس وقت بھی آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ (۷/ ج) اس وقت تو بھائیوں نے بنیامین کے متعلق کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بنائی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بے خبر تھے ورنہ صبر کا کیا معنی؟ برادران یوسف اگر اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہمہ دان اور ہمہ بین سمجھتے تو ابتدائی ہی سے اُنہیں دھوکہ دینے کی ہمت اور جسارت نہ کرتے۔ وہ خود بھی عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلی مرتبہ ہی پہچان لیتے اور بنیامین کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے بھی پوری طرح باخبر ہوتے۔ اگر وہ اپنے والد ماجد کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھتے ہوتے تو ہرگز ان سے یہ نہ کہتے کہ ''اللہ کی قسم! آپ تو ہمیشہ یوسف کی یاد میں ہی لگے رہیں گے یہاں تک کہ آپ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں۔'' (۸/ الف) حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کی بنا پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُمید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو آپ کے پاس یک جا کر دے گا۔ (۸/ ب) اور بیٹوں سے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۸/ ج) ایسی کسی بات سے بھی آپ کا عالم بجمیع ما کان و ما یکون، حاضر و ناظر اور مختار کل ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے کسی عقیدے کی تعلیم آپ نے اپنے بیٹوں کو دی تھی ورنہ یہ واقعات سرے سے پیش ہی نہ آتے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام نہ تو (معاذ اللہ) کتمان علم سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی کسی اور تصنع کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسا سوچنا ہی ان کی سخت ترین توہین ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ تجھے خوابوں کی

تعبیر سکھائے گا، منصب نبوت پر فائز کرے گا، آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا، بے شک غیبی خبریں ہیں لیکن یہ غیبی جزئیات ہیں۔ غیبی جزئیات تعداد میں کتنی ہی ہوں ان سے کل غیب ثابت نہیں ہوتا جو محل نزاع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو لاتعداد غیبی جزئیات پر مطلع فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۶۔ بہ حوالہ حضرت موسیٰ علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع علیہ السلام کے ہم راہ بہ حکم الٰہی حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ زادِ راہ کے طور پر ایک تلی ہوئی مچھلی حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے ساتھ رکھی۔ دوران سفر ایک مقام پر ستانے اور آرام کرنے کے لئے ٹھہرے وہاں یہ تلی ہوئی مچھلی زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ایک عجیب وغریب واقعے کو بھی حضرت یوشع علیہ السلام بھول گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع نہ کر سکے۔ بعد میں چلتے چلتے تھک گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام سے کھانا طلب کیا تو اُنہیں مچھلی کے زندہ ہوکر سمندر میں چلے جانے کا عجیب وغریب واقعہ یاد آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی کی تلاش میں تو ہم تھے۔ دونوں واپس مڑے اور بالآخر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ جو علم اللہ نے تجھے سکھایا ہے۔ اس کی خاطر میں آپ کی اتباع کے لئے یہاں آیا ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ کے اصرار پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے وعدہ لیا کہ میں جو کچھ بھی کرتا جاؤں آپ صبر وتحمل سے کام لیں گے اور مجھ سے کچھ پوچھیں گے نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے بہ ظاہر خلاف شریعت نظر آنے والے کاموں پر صبر نہ کیا اور تیسری بار کے اعتراض اور اشکال پر حسب وعدہ آپ کو ان سے الگ ہونا پڑا۔ تاہم علیحدگی سے قبل حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے تمام کاموں کی نہایت معقول توجیہہ کی اور وہ حکمت ومصلحت واضح کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سمجھ میں پہلے نہیں آسکی تھی اور یہ بھی بتایا کہ یہ سب کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں بل کہ اللہ کے حکم سے کئے تھے۔ (۹/ الف) دیکھئے حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہم السلام کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا اور اُنہیں حاضر وناظر بنایا گیا ہوتا تو اُنہیں حضرت خضر علیہ السلام کے قیام کی جگہ کا پہلے ہی علم ہوتا۔ مچھلی کے زندہ ہوکر سمندر میں جانے کا منظر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخفی نہ ہوتا جو علم حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ نے دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس علم سے پہلے ہی باخبر ہوتے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے اور اُنہیں تلاش کرنے کی زحمت اُنہیں اُٹھانا نہ پڑتی۔ آپ کو اگر پہلے سے ہی یقین کامل

ہوتا کہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں پر ہرگز صبر نہیں کرسکوں گا تو ان شاء اللہ کہہ کر ان سے اپنے صابر اور مطیع رہنے کا وعدہ نہ فرماتے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہم السلام اگر مختار کل ہوتے تو مختار کل تو ہر کمال کے حصول پر قادر ہوتا ہے۔ یہ دونوں حضرات گھر بیٹھے ہی سارے علوم حاصل کر لیتے اور حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نہ نکلتے۔ بہ وقت ملاقات حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا تھا کہ ''اے موسیٰ! اللہ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جو اس نے تجھے نہیں دیا اور اللہ نے تجھے وہ علم سکھایا ہے جو اس نے مجھے نہیں سکھایا۔'' (۹/ ب) اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی ہرگز عالم جمیع ما کان و ما یکون نہیں تھے ورنہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے علم سے بھلا کیسے بے خبر ہوتے؟ پس ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی بتایا گیا وہ غیب جزئی پر اطلاع ہے، غیب کلی پر نہیں جو محل نزاع ہے۔ غیب جزئی کی مثالیں دے کر کسی کے لئے غیب کلی ثابت کرنا درست نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے خوف سے مصر سے بھاگ کر مدین پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات حضرت شعیب علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے اپنے اوپر گزرنے والے سارے واقعات انہیں بتائے تو انہوں نے فرمایا کہ تو نہ ڈر، تو ظالم قوم سے نجات پا کر یہاں نکل آیا ہے۔ (۹/ ج) حضرت شعیب علیہ السلام کو اگر غیب کلی کا علم عطا کیا گیا ہوتا اور انہیں حاضر و ناظر بنایا گیا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے مدین تک پہنچنے کے تمام مراحل و مناظر از ابتدا تا انتہا انہیں پہلے ہی سے معلوم ہوتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی انہیں شروع ہی میں بتا دیتے کہ میں ہمہ دان اور ہمہ بین ہوں، سب کچھ پہلے ہی سے جانتا ہوں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام صحیح عقائد کے اظہار کا کوئی موقع گنوایا نہیں کرتے اور نہ ہی وہ صحیح عقائد کو چھپایا کرتے ہیں۔

کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اپنا دیدار کرائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مجھے (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آئے تو عرض کیا کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ میں نے تجھ سے توبہ کی اور میں سب سے پہلے (تجھ پر) ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ (۱۰/ الف) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا تو انہیں پہلے ہی سے یقین کامل ہوتا کہ میں اس دنیا میں ہرگز اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرسکوں گا اور وہ ایسی خواہش کا ہرگز اظہار نہ کرتے۔

تورات لینے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تشریف لے گئے۔ اپنے پیچھے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی نگرانی پر مامور فرما گئے۔ کچھ عرصے کے بعد قوم اس بچھڑے کی پوجا

میں ملوث ہوگئی جو سامری نے تیار کیا تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہر چند انہیں منع فرمایا لیکن وہ اپنی ڈھٹائی پر قائم رہے کہ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آجاتے ہم تو یوں ہی کرتے رہیں گے۔ اگر حضرت ہارون علیہ السلام زیادہ اصرار سے کام لیتے تو قریب تھا کہ وہ لوگ آپ کو قتل کر ڈالنے سے بھی نہ چوکتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر ساری صورتحال سے مطلع فرمایا تو وہ سخت غیظ وغضب کے عالم میں وہاں سے قوم کے پاس پہنچے اور آتے ہی تورات کی تختیوں کو ایک طرف ڈال دیا اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے سر اور داڑھی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا کہ ان سے قوم کی نگرانی میں شاید کوتاہی ہوئی ہے۔ تاہم حضرت ہارون علیہ السلام کے اطمینان بخش جواب سے ان کا غصہ فرو ہوا۔ حالات معلوم ہونے پر اصل قصور سامری کا ثابت ہوا۔ (۱۰/ب) یہ تمام واقعات بہ خوبی ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا اور آپ کو حاضر و ناظر بنایا گیا ہوتا تو قوم کے شروع سے آخر تک کے مذکورہ حالات اور تمام مراحل ومناظر، سامری کا ظاہر و باطن، اس کا بچھڑے سازی کا پورا منظر، حضرت ہارون علیہ السلام کی مجبوری اور بے گناہی آپ سے ہرگز مخفی نہ رہتی۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی حاضر و ناظر اور غیب دان نہیں تھے اور نہ ہی وہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس طرح کا عقیدہ رکھتے تھے ورنہ انہیں سرکش قوم کے مقابلے میں اپنی مستقبل کی مجبوری اور بے بسی کا پہلے ہی سے علم ہوتا اور قوم پر نگران مقرر کئے جانے کے موقع پر ہی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان امور کا تذکرہ کرتے یا بعد کے حالات میں وہ اپنی جگہ ہی سے کوہ طور پر موجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں پکارتے کہ اے موسیٰ! ہمارا حال دیکھئے اور ہماری پکار سنئے۔ بل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خود ہی سب باتوں کا پیشگی علم ہوتا۔ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام مختار کل ہوتے تو حضرات انبیاء علیہم السلام تو لوگوں کی ہدایت پر بہت حریص ہوتے ہیں، قوم کو سامری کے فتنے اور گوسالہ پرستی میں ملوث ہونے سے بچا لیتے۔ یاد رہے کہ اس وقت تک تورات پوری کی پوری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی جا چکی تھی اور آپ تورات کی تختیوں کو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ تورات کا وصف قرآن کریم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود تھی اور یہی وصف اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کا بھی بیان فرمایا ہے۔ (۱۰/ج) پس اگر تورات کے مفصل ہونے کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس سے حضرت موسیٰ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہو گئے تھے تو اس کا قطعاً اور صریحاً غلط ہونا بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے مذکورہ واقعے سے خوب واضح ہو رہا ہے۔ پس قرآن کریم کے مفصل ہونے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس کے مکمل نزول کے بعد رسول اکرم علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہو گئے تھے۔ تورات میں اور اسی طرح قرآن کریم میں ہر چیز کی تفصیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان آسمانی کتب میں اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام اصولی وضروری مضامین بیان فرما دیئے۔ تورات تو محرف ہو چکی۔ قرآن کریم محفوظ کتاب ہے۔

۷۔ بہ حوالہ حضرت داؤد علیہ السلام: حضرت داؤد علیہ السلام اپنے کمرے میں اللہ کی عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک دیوان پھاند کر دو مرد وہاں داخل ہوئے۔ سورہ ص میں ہے کہ ''اے پیغمبر! کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ملی؟ جب کہ وہ دیوان پھلانگ کر محراب (کمرے) میں آ گئے۔ جب یہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے خوف زدہ ہوا۔ انہوں نے کہا، خوف نہ کیجئے ہم دو فریق ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے۔ (۱۱/الف) حضرت داؤد علیہ السلام کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا اور آپ حاضر و ناظر ہوتے تو دیوار پھلانگ کر آنے والوں کا ابتدا سے انتہا تک تمام منظر آپ سے اوجھل نہ ہوتا۔ آپ ان سے پہلے ہی سے متعارف ہوتے اور ہرگز ان لوگوں سے آپ پہلے پہل طبعی طور پر خوف محسوس نہ فرماتے۔ ان کے جھگڑے سے بھی آپ پہلے سے ہی پوری طرح باخبر ہوتے۔ جھگڑا کرنے والوں کو ضرورت ہی نہ ہوتی کہ وہ آپ کو کچھ بتاتے بل کہ آپ خود انہیں ابتدا ہی سے منع فرما دیتے کہ تمہیں مجھے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں، میں تو ہمہ دان اور ہمہ بین ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے صاحب زادے تھے۔ سورۂ انبیاء میں ہے کہ ''(اے پیغمبر!) تو داؤد اور سلیمان کو یاد کر جب کہ وہ کھیت کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اسے چر چک گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے۔ ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ ہاں، ہم نے ہر ایک کے حکم اور علم دے رکھا تھا۔'' (۱۱/ب) مفسرین کی تصریح کے مطابق کچھ لوگوں کی بکریاں ایک کاشت کار کے کھیت کو چر گئیں۔ اتفاق سے بکریوں کی قیمت چری ہوئی فصل کی قیمت کے برابر تھی، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ صادر فرما دیا کہ بکریوں والے اپنی بکریاں کھیت کے مالک کے حوالے کر دیں، حضرت سلیمان نے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ بکریوں والے اپنی بکریاں کاشت کار کے حوالے کریں کہ وہ ان سے فائدہ اُٹھاتا رہے اور بکریوں والے اس کھیت کو کاشت کریں اور جب فصل حسب سابق ہو جائے تو اپنی بکریاں کھیت والے سے واپس لے کر کھیت اور اس کی فصل مالک کے حوالے کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ اس لئے بہتر تھا کہ اس سے فریقین نقصان سے بچ گئے، جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے میں بکریوں والے اپنی بکریوں سے محروم ہو رہے تھے۔ اگر

حضرت داؤد علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو پہلے ہی سے حضرت سلیمان علیہ السلام والا فیصلہ صادر فرماتے۔

۸۔ بہ حوالہ حضرت سلیمان علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانوں کے علاوہ جناب، حیوانات، چرند و پرند پر بھی حکومت عنایت فرمائی تھی۔ سورۂ نمل میں ہے کہ ''اس (سلیمان) نے پرندوں کی خبر (حاضری) لی تو کہا مجھے کیا ہوا کہ میں (یہاں) ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ غیر حاضر ہے۔ اگر اس نے کوئی صریح (اور معقول) سند (اور وجہ) اپنی غیر حاضری کی مجھے پیش نہ کی تو میں اسے سخت ترین سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس (ہدہد) نے آ کر کہا کہ میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس کا آپ کو پتہ ہی نہیں۔ میں (قوم) سبا کی سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر بادشاہی کر رہی ہے اور اسے (وقت کے مطابق لوازم حکومت کی) ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے انہیں ان کے (برے) کام اچھے کر کے دکھائے ہیں اور سیدھی راہ سے انہیں روک دیا ہے تو وہ ہدایت پر نہیں آتے۔'' (۱۱/ ج) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی ساری بات سنی تو کہا ''ہم ابھی دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا کر انہیں دیدے، پھر ان کے پاس سے ہٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟'' (۱۲/ الف) اس سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو غیب کا علم عطا کیا گیا ہوتا اور وہ حاضر و ناظر ہوتے تو ہدہد کی غیر حاضری کی وجہ، ہدہد کے قوم سبا تک پہنچنے اور واپس آنے کے تمام مناظر و مراحل، قوم سبا کی ملکہ کے احوال اور ان لوگوں کی سورج پوجا وغیرہ تمام امور آپ سے ہرگز مخفی نہ ہوتے۔ اگر آپ کو ابتدا ہی سے کامل یقین ہوتا کہ ہدہد غلط بیانی نہیں کر رہا ہے تو آپ اس سے یہ نہ فرماتے کہ ہم عن قریب دیکھ لیں گے کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ اگر آپ کو پہلے سے علم ہوتا کہ قوم سبا کے پاس آمد و رفت کی وجہ سے ہدہد کی عارضی غیر حاضری مضر نہیں بل کہ بالآخر مفید ثابت ہوگی کہ قوم سبا کی ملکہ مطیع و مسخر ہوگی، قوم کے لوگ دولت ایمان سے مالا مال ہوں گے تو آپ ہرگز ہدہد کی غیر حاضری پر سخت غضب ناک نہ ہوتے اور یہ نہ فرماتے کہ اس نے معقول عذر پیش نہ کیا تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا۔ ہدہد نے یہ کہا تھا کہ میں قوم سبا کی ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم تک نہیں ہے، اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یقیناً ہدہد کی اصلاح فرماتے کیوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام عقائد کی اصلاح کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ واقعات کی نوعیت کسی طرح کی بھی فاسد تاویل کی متحمل نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ہم راہ نکلے۔ یہاں تک کہ آپ کا گزر چیونٹیوں

کی وادی پر ہوا تو ایک چیونٹی بولی کہ اے چیونٹیو! تم سب اپنی رہائش گاہوں میں گھس جاؤ، تمہیں سلیمان اور اس کی فوجیں روند نہ ڈالیں اور اُنہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۱۲/ب) یہاں ''اور اُنہیں خبر بھی نہ ہو'' سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکری غیب دان اور حاضر و ناظر نہیں تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حیوانات چرند پرند اور کیڑے مکوڑے اگرچہ شریعت کے مکلّف (پابند) نہیں لیکن اتنی عقل ان میں بھی ہے کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عالم جمیع ما کان و ما یکون اور حاضر و ناظر نہیں سمجھتے۔ سخت حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ حضرت انسان عقل رکھنے کے باوجود غلط عقائد اور توہمات کا شکار ہو جاتا ہے۔

۹۔ **بہ حوالہ حضرت یونس علیہ السلام:** حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے کفر اور سرکشی پر اصرار سے انتہائی رنجیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہاں سے چل دیئے۔ قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کی تنبیہ کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے ابتدائی آثار محسوس کئے تو توبہ اور ندامت کے اظہار کے ساتھ گڑگڑائے اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لا کر ان کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔ ادھر دورانِ سفر حضرت یونس علیہ السلام سمندر میں ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی میں بوجھ زیادہ تھا، سمندری طوفان سے اس کے ڈوبنے کا خدشہ ہوا۔ کشتی کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی جس کے نتیجے میں حضرت یونس علیہ السلام کو ہی کشتی سے باہر چھلانگ لگانی پڑی۔ ایک مچھلی نے اُنہیں نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ **لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین** (۱۲/ج) کہ ''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے۔ بے شک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔'' اس تسبیح کی برکت سے مچھلی نے بہ حکم الٰہی آپ کو اپنے پیٹ میں ہضم نہیں کیا بل کہ باہر کنارے پر اُگل دیا۔ ضعف و ناتوانی کے دور ہونے اور جس میں طاقت آنے پر آپ اپنی قوم کے پاس واپس تشریف لائے۔ وہ لوگ آپ پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی خطا معاف فرما دی اور آپ کو حسب سابق بلند مقام عطا فرمایا۔ اگر آپ کو غیب کلی کا علم عطا کیا گیا ہوتا تو اُنہیں ماضی، حال اور مستقبل کے تمام حالات کا پیشگی علم حاصل ہوتا۔ اُنہیں معلوم ہوتا کہ وحی کا انتظار کئے بغیر یوں چلے آنے سے اللہ تعالیٰ کا ان پر عتاب ہوگا اور اُنہیں سخت مشکل احوال سے گزرنا پڑے گا۔ حضرت انبیاء علیہم السلام ہرگز دیدہ و دانستہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔

۱۰۔ **بہ حوالہ حضرت عزیر علیہ السلام:** حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر ایک ویران اور اُجڑی

بستی پر ہوا۔ نہایت تعجب سے کہا کہ اس طرح کی ویران اور اُجڑی بستی کے لوگ (روز قیامت) کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ ان کا آخرت پر تو یقیناً ایمان تھا، محض تعجب پیدا ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وہیں موت دے دی اور وہ وہاں سو سال تک اسی حالت میں پڑے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دوبارہ زندہ کر کے پوچھا کہ تم یہاں کتنا عرصہ پڑے رہے ہو؟ اُنہوں نے (اپنے علم کے مطابق) یہ کہا کہ میں یہاں ایک آدھ دن پڑا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو یہاں سو برس تک پڑے رہے ہو۔ اب تم اپنے کھانے پینے کا سامان دیکھو اس پر ان سو سالوں کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ (اسی طرح تروتازہ ہے) اور تو اپنے گدھے کو بھی دیکھ لے کہ ہم کس طرح اس (کے اعضا) کو اکٹھا کرتے ہیں اور پھر ہم اسے کس رطح گوشت پہناتے ہیں تو جب یہ سب کچھ اس (عزیر) پر کھل گیا تو اس نے کہا کہ مجھے (اب تو آنکھوں دیکھا) علم ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۳/ الف) جسے عالم جمیع ما کان و ما یکون بنایا گیا ہو اور جو حاضر و ناظر ہو اس سے عالم دنیا اور عالم برزخ میں کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اِدھر حضرت عزیر علیہ السلام کو دوبارہ زندہ ہونے پر بھی یہ علم نہیں تھا کہ وہ سو برس تک وہاں پڑے رہے ہیں۔ حاضر و ناظر کو کچھ بھی دکھانے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ وہ تو ہر منظر سے پہلے ہی باخبر ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد روح کی ترقی کا یہ مطلب نہیں کہ عالم برزخ میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام عالم الغیب اور حاضر و ناظر بنائے جاتے ہیں۔ ورنہ حضرت عزیر علیہ السلام کی اپنے متعلق بے خبری کا یہ عالم نہ ہوتا۔ جو اپنے متعلق تفصیلی علم نہ رکھتا ہو وہ کسی اور کے متعلق اور اس سے بھی آگے بڑھ کر سب موجودات کے متعلق ہمہ دان اور ہمہ بین کیسے ہو سکتا ہے؟

۱۱۔ بہ حوالہ حضرت زکریا علیہ السلام: حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے تک بے اولاد رہے۔ ان کی بیوی بھی بانجھ اور بوڑھی تھیں۔ سورۂ مریم میں ہے کہ ''(وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اس (زکریا) نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اُٹھا ہے (یعنی بال بالکل سفید ہو گئے ہیں) لیکن میں تجھ سے دعا کر کے کبھی بھی محروم نہیں رہا۔ مجھے (اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد) اپنے پیچھے اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے (کہ ان میں سے کوئی بھی مسند ارشاد و ہدایت کو سنبھالنے والا نہیں ہے) اور میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے (مسند ارشاد و ہدایت کو سنبھالنے والا) وارث عطا فرما۔ (۱۳/ ب) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ہونے والے بچے کا نام یحییٰ بھی خود ہی رکھ دیا کہ اس نام کا پہلے کوئی شخص نہیں ہوا۔ ایک طرف تو حضرت زکریا علیہ السلام اولاد کے لئے دعا مانگ رہے تھے لیکن دوسری طرف اللہ کی طرف سے بیٹے کی بشارت پر اُنہیں سخت تعجب بھی ہوا اور کہنے لگے کہ 'اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا

کیسے ہوگا، حال آں کہ میری بیوی تو بانجھ ہے اور میں خود بھی بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔ (اللہ کی طرف سے) ارشاد ہوا، اسی طرح ہوگا۔ تیرے رب نے فرمادیا ہے کہ یہ کام مجھ پر بالکل آسان ہے اور بے شک میں نے تجھے بھی پیدا کیا تھا جب کہ تو پہلے تھا ہی نہیں۔ (زکریا نے) کہا کہ اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے۔ ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو برابر تین راتوں تک کسی شخص سے نہیں بول سکے گا۔'' (۱۳/ج) اگر حضرت زکریا علیہ السلام کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا تو اُنہیں پہلے ہی سے خوب معلوم ہوتا کہ بیوی کو بیٹے کا حمل فلاں وقت ہوگا، پیدا ہونے والا بیٹا یحییٰ نام کا ہوگا اور یہ نام پہلے کسی کا بھی نہیں رکھا گیا ہوگا اور یہ کہ بیٹا فلاں دن، فلاں مہینے اور فلاں سال کو پیدا ہوگا۔ اس (مفروضہ) صورت میں اُنہیں یہ بھی پہلے ہی سے معلوم ہوتا کہ میرا بڑھاپا، میرے سفید بال، میری کم زور و ناتواں ہڈیاں اور میری بیوی کا بڑھاپا اور بانجھ پن بیٹے کی ولادت میں مانع نہیں ہوں گے۔ اُنہیں کسی تعجب کے اظہار کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اگر آپ کو مختار کل بنایا گیا ہوتا تو آپ جوانی میں ہی اولاد حاصل کر لیتے۔ کوئی شخص اپنی مرضی سے بوڑھا نہیں ہونا چاہتا، وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کی ہڈیاں کم زور پڑ جائیں۔ اگر آپ مختار کل بنائے گئے ہوتے تو اپنے عطائی اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے آپ کو اور اپنی اہلیہ کو تو ضرور بڑھاپے اور اس کے عوارض، ضعف و ناتوانی وغیرہ سے محفوظ کر لیتے۔

۱۲۔ **بہ حوالہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی اور آپ کے سچے حواریوں کے اس دنیا سے انتقال کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی امت میں اعتقادی بگاڑ پیدا ہوا۔ بہت سے عیسائی تثلیث (یعنی باپ، بیٹا، روح القدس تین خداؤں) کے قائل ہوگئے۔ قیامت کے قریب دجال کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے آپ کا زمین پر نزول ہوگا اس لئے آپ کو عیسائیوں کے اعتقادی بگاڑ کا اجمالی علم ہوگا۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا کہ ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے ماسوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو؟ وہ (عیسیٰ) کہے گا (اے اللہ!) تیری ذات پاک ہے۔ یہ میرے ہرگز شایان شان نہیں تھا کہ میں (لوگوں سے) کوئی ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی تو بے شک یہ تیرے علم میں ہوگی۔ میرے دل میں جو کچھ ہے تو اسے جانتا ہے اور جو کچھ تیرے ہاں ہے میں اسے نہیں جانتا۔ بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

شَهِيدٌ (۱۴/ الف) ''اور میں (اختیاری اسباب کے تحت) ان (کے حال) پر گواہ تھا جب تک میں (دنیا میں) ان کے اندر موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے (اپنے ہاں) اُٹھالیا پھر تو ہی ان پر نگہ بان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔'' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے یوں نہ کہتے کہ تو ہی غیبوں کا بخوبی جاننے والا ہے اور یہ بھی نہ کہتے کہ میرے رفع سماوی کے بعد (اے اللہ!) تو ہی ان پر نگہ بان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ (حاضر و ناظر) ہے کیوں کہ دنیوی زندگی ہو یا برزخی، حاضر و ناظر تو ہر ہر چیز سے بہ خوبی باخبر ہوتا ہے اور ہر چیز پر اس کی بخوبی نظر ہوتی ہے، دنیوی اور برزخی زندگی میں اس کے حاضر و ناظر ہونے کی کیفیت بالکل یک ساں ہوتی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی دنیوی اور آسمانی زندگی میں فرق کرنا کہ دنیوی زندگی میں تو میں اپنے لوگوں پر گواہ تھا لیکن جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو پھر اے اللہ! میں نہیں بل کہ تو ہی ان پر نگہ بان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے، صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام برزخی اور آسمانی زندگی میں حاضر و ناظر نہیں ہوا کرتے۔ دنیوی زندگی میں بھی وہ لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لئے اختیاری اسباب کے تحت ان پر ضروری حد تک ہی نظر رکھتے ہیں ورنہ وہ لوگوں کے ہر ہر عمل پر نگہ بان نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ ان کے اختیار اور بس میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ آپ لوگوں پر نگہ بان نہیں ہیں، مثلاً سورۂ انعام میں ہے وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (۱۴/ ب) ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے ان پر نگہ بان نہیں بنایا ہے۔''

۱۳۔ **بہ حوالہ معجزت حضرت عیسیٰ علیہ السلام:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کے متعلق سورۂ آل عمران میں ہے کہ آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمھیں بتائے دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک ان میں تمہارے لئے (میرے سچے رسول ہونے کی) نشانی موجود ہے اگر تم ایمان لانے والے بنو۔'' (۱۴/ ج) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان غیبی جزئیات کا علم بہ طور معجزہ دیا گیا تا کہ ان کے مخاطب بنی اسرائیل جان لیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ان غیبی جزئیات کے علم سے آپ کا عالم جمیع ما کان و ما یکون ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ آیت سے اس طرح کا غلط مفہوم کشید کرنے سے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سخت توہین لازم آتی ہے۔ یہاں درج ذیل نکات پر خوب غور کیا جائے۔

الف: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث کے حجرے میں داخل ہوئے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی حقیقی خالہ تھیں۔ اس وقت ان کے پاس ضب (گوہ) کا گوشت بھنا ہوا رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہاں موجود ازواج مطہرات میں سے ایک نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو بتادو کہ یہ ضب (گوہ) کا گوشت ہے۔ اس پر آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور وہ گوشت نہ کھایا۔ البتہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خوب مزے سے کھایا۔ (۱۵/الف) رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ رات بھر بے چین رہے اور سو نہ سکے۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک افتادہ کھجور پائی اور اسے کھالیا۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ ہمارے ہاں تو زکوٰۃ کی کھجوریں بھی تھیں، تو مجھے یہ معلوم نہیں کہ جو کھجور میں نے کھائی ہے وہ زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے تھی یا ہمارے گھر کی کھجوروں میں سے تھی۔ میں اسی وجہ سے بے چین ہوں اور رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ (۱۵/ب) غزوۂ خیبر کے بعد ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور بکری کے گوشت کو اپنے خبیث قاتلانہ عزائم کے تحت زہر آلود کر دیا۔ آپ کو پہلے اس کا علم نہ ہو سکا۔ جب لقمہ لیا تو بہ ذریعہ وحی خفی یا قرائن کی بنا پر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ گوشت کو زہر آلود کیا گیا ہے۔ آپ کے ایک صحابی بشر بن براء بن معرور نے بھی آپ کے ساتھ یہ گوشت تناول کیا تھا۔ وہ جاں بر نہ ہو سکے بل کہ بعض روایات کے مطابق متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس زہر سے شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اگرچہ یہودی عورت کا ناپاک منصوبہ ناکام رہا پھر بھی آپ اس زہر سے اپنی بقیہ عمر میں تکلیف اُٹھاتے رہے اور اپنے مرضِ وفات کے ایام میں تو آپ ﷺ کو اس زہر سے اپنی رگِ جان کٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ (۱۵/ج) اس طرح کے متعدد مزید واقعات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ دیکھئے اب اگر ناحق یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیب کلی کا علم عطا کیا گیا تھا اور وہ اسی حیثیت سے یہ معلوم کر لیا کرتے تھے کہ لوگ کیا کھا کر آئے ہیں اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیں اور اس طرح کا علم واقعی ایک کمال ہے اور جسے ایسا علم حاصل نہ ہو وہ مرد کامل نہیں بل کہ مرد ناقص ہے تو ادھر دوسروں کا تو کیا ذکر سیّد المرسلین رسول اکرم ﷺ کو بھی اپنے کھانے کا بعض اوقات علم نہیں ہوا کرتا تھا کہ گوشت کس جانور کا ہے، گوشت زہر آلود تو نہیں، جو کھجور میں نے کھائی ہے وہ کہیں زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے تو نہیں تھی وغیرہ۔ کیا اس سے رسول اللہ ﷺ کی توہین لازم نہیں آتی؟ اس توہین سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ یہ صحیح عقیدہ قبول کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مخاطبین کے متعلق نہ کہ ساری دنیا کے متعلق بعض غیبی جزئیات کا ہی علم دیا گیا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو جن بعض غیبی جزئیات پر مطلع کیا جاتا ہے اور جو بعض معجزات اُنہیں دیئے جاتے ہیں ان کی نوعیت اور کیفیت کا یک ساں ہونا ہرگز ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ چیزیں کسی کے دوسروں سے افضل یا مفضول ہونے کا معیار ہیں۔ اگر زید کو یہ معلوم ہو جائے کہ بکر نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا باقی چھوڑا ہے تو اس سے زید کو کوئی

فائدہ نہیں اور اگر یہ باتیں اسے معلوم نہ ہوسکیں تو اس کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ دیگر معجزات کے علاوہ یہ معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف اس لئے دیا گیا تھا کہ مخاطبین پر آپ کی رسالت کا سچا ہونا ثابت ہوجائے۔ اسی طرح کا معجزہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ سے بھی ظاہر ہوا ہے۔ مثلاً غزوۂ بدر کے مقتولین کے جوشِ انتقام میں مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب جمحی نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا نہایت خفیہ منصوبہ تیار کیا۔ اسی کے تحت عمیر بن وہب اپنی زہر آلود تلوار حمائل کرکے مدینہ منورہ پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ناپاک عزائم کو بھانپتے ہوئے اسے روکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسے آنے دو۔ دوران گفت گو آپ ﷺ نے اسے بتایا کہ تم نے اور صفوان بن امیہ نے مکہ میں حطیم میں بیٹھ کر میرے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ عمیر سخت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ہمارے اس خفیہ منصوبے کا کسی تیسرے شخص کو ہرگز علم نہیں تھا۔ عمیر نے نہ صرف اسلام قبول کیا بل کہ آپ کی اجازت سے مکہ مکرمہ میں واپس آکر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کردی اور اس کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ (۱۶/ الف) معراج کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کو اس مقام پر پہنچایا گیا کہ مخلوق میں سے اور کسی کو بھی وہاں تک رسائی حاصل نہیں ہوئی۔ وہاں بہ ذریعہ وحی آپ ﷺ کو وہ علوم و معارف دیئے گئے جن سے اللہ تعالیٰ کا وہ قرب آپ ﷺ کو حاصل ہوا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مقربین میں سے اس فضیلت میں کوئی بھی آپ کا شریک نہیں۔ سورۂ نجم میں ہے فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ (۱۶/ ب) ''تو اس (اللہ) نے اپنے بندے پر وحی بھیجی جو بھی بھیجی۔'' لیکن اس سے غیب کلی کے علم کا کوئی تعلق نہیں جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ معراج سے واپسی پر قریش مکہ نے آپ سے بیت المقدس کے متعلق پوچھنا شروع کردیا کہ وہاں فلاں فلاں چیز کیسی اور کہاں واقع ہے۔ حال آں کہ کسی جگہ جانے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں جانے والے کو ہر ہر چیز کا تفصیلی علم بھی حاصل ہوجائے یا حافظے میں محفوظ رہے۔ مشرکین مکہ کے ان بے جا سوالات پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا پریشان نہیں ہوا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر کے لئے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کردیا اور آپ ﷺ اسے دیکھ دیکھ کر مشرکین کے سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے رہے۔ (۱۶/ ج) پس اگر آپ کو یہ نہ بتایا گیا ہو کہ فلاں نے کیا چیز کھائی ہے اور کیا کچھ گھر میں باقی چھوڑا ہے تو اس سے آپ کا بلند ترین مقام و مرتبہ کسی طرح بھی خلل پذیر نہیں ہوتا کہ ایسی معلومات کا اللہ تعالیٰ کے قرب سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانوں کے علاوہ جنات، حیوانات چرند و پرند پر حکومت کا معجزہ عطا فرمایا، اگر بہ طریق معجزہ ان کا تخت ہوا میں اُڑتا تھا جس پر بیٹھ کر وہ ہوائی سفر کرسکتے

تھے تو اس سے حضرت سلیمان کا درجہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام وغیرہ سے ہرگز نہیں بڑھ گیا۔ وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کا معجزہ اور ولی کی کرامت پیغمبر اور ولی کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو وہ پیغمبر اور ولی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ الغرض حضرات انبیاء علیہم السلام کو غیب کلی پر نہیں بل کہ ان کے منصب سے متعلق غیب جزئی پر مطلع کیا جاتا ہے اور یہ غیبی جزئیات قدر و قیمت اور مقدار و کمیت کے لحاظ سے برابر نہیں ہوتیں۔ اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیائے عظام کے مراتب و مدارج باہم یکساں نہیں بل کہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

ب: سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: **قُلْ لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ** (۱۷/الف) ''(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، تو کہہ دے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی ہدایت یافتہ اور گم راہ برابر نہیں ہو سکتے) تو پس تم سوچتے کیوں نہیں؟'' یہ آیت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہونے کی بناء پر ایک محکم آیت ہے۔ اعتقادی لغزشوں میں مبتلا بعض لوگ اس کی (نہایت ہی غلط اور فاسد) تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہاں ''لا نافیہ'' لفظ ''اقول'' پر داخل ہے اس لئے یہاں یہ قول ان کے نفی صرف قول کی ہے، مقولے کی نہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے سامنے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں۔ میں اس طرح کے دعوے مخالفین و معاندین کے سامنے اس لئے نہیں کرتا کہ اسرار صرف دوستوں کے سامنے ظاہر کئے جاتے ہیں، اپنوں پر کھولے جاتے ہیں ورنہ میرے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر چیز کا مالک بنا رکھا ہے اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ اس (غلط) تاویل کی یہ توجیہہ بھی کی گئی ہے کہ آپ کے مخالف مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو ہمیں روزانہ کے منڈی کے بھاؤ بتایا دیا کریں تاکہ ہمیں تجارت میں نقصان نہ ہوا کرے اور ہم غنی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے یہ کہا ہے کہ آپ ان مخالفین و معاندین سے کہہ دیں کہ غیب دانی اور خدائی خزانوں کے مالک ہونے کا دعویٰ میں تمہارے سامنے اس لئے نہیں کرتا کہ میرا یہ کام نہیں کہ میں تمہیں منڈیوں کے بھاؤں بتایا کروں اور تمہیں غنی بنا تا پھروں۔ اگر مذکورہ (فاسد) تاویل کو قبول کر لیا جائے

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے بعض معجزات سے اس کا تقابل کیا جائے تو اس سے بھی رسول اللہ ﷺ کی توہین لازم آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو لوگوں کو صاف بتایا دیا کرتے تھے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور گھروں میں تم نے کیا ذخیرہ کر رکھا ہے، تاکہ وہ ان معجزات پر غور کر کے آپ پر ایمان لے آئیں۔ اِدھر مذکورہ (فاسد) تاویل کے تحت رسول اللہ ﷺ مشرکین کو منڈی کے بھاؤ تک نہیں بتاتے اور ان کو غنی بنانے سے بھی صاف انکار فرما رہے ہیں۔ اگر آپ کو منڈیوں کے بھائی واقعی معلوم نہیں تھے تو آپ عالم جمیع ما کان و ما یکون نہ ہوئے۔ اگر آپ کو منڈیوں کے بھاؤ معلوم تھے اور مختار کل کے (مفروضہ) عقیدے کے تحت لوگوں میں آپ رزق بھی تقسیم فرماتے ہیں تو غور کیجئے آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں، آپ ﷺ کو تو اپنی قوم کی ہدایت کا بہت ہی حرص تھا تو کیسے ممکن تھا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو منڈی کے بھاؤ نہ بتاتے؟ جب آپ مختار کل کے (مفروضہ) عقیدے کی رو سے قاسمِ رزق بھی ہیں تو آپ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کیسے درست ہوا کہ میرا یہ کام نہیں کہ میں تمہیں غنی بناتا پھروں؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں کہ ایک طرف تو آپ کو قاسمِ رزق قرار دیا جائے اور دوسری طرف آپ سے یہ بھی کہلوایا جائے کہ تمہیں غنی بنانا میرا کام نہیں ہے؟ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنی امت پر نہایت مہربان اور شفیق تھے کہ اپنے مخالفین کو بھی یہ بتا دیا کرتے تھے کہ تم نے کیا کھایا ہے اور کیا پیچھے چھوڑا ہے تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے مخالفین کو نہ تو منڈی کے بھاؤ بتانے پر آمادہ ہیں اور نہ ہی (مفروضہ) مختار کل اور قاسم رزق کی حیثیت سے ان ہیں غنی بنانے پر تیار ہیں۔ کیا ان (فاسد) مفروضات و تاویلات کو درست قرار دینے کی صورت میں آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دینا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) غلط نہیں قرار پائے گا؟ یہاں یہ تاویل بھی کارگر نہیں ہو سکتی کہ مخالفین کے منہ مانگے معجزات اور مطالبے پورے نہیں کئے جاتے۔ آپ کو اگر واقعی عالم جمیع ما کان و ما یکون بنایا گیا تھا تو مخالفین کے مطالبے سے پہلے ہی اُنہیں منڈی کے بھاؤ بتائے جا سکتے تھے۔ یہ تاویل بھی نہیں چل سکتی کہ کہ یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ سورۃ انعام مکی سورت ہے۔ مکہ مکرمہ سے آپ کی ہجرت کے بعد بھی مدنی دور میں بہت سے اہل مکہ نے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے موقع پر تو تقریباً سب کے سب آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ نیز اس صورت میں یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بھاری اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لانا تھا تو آپ نے اُنہیں معجزات کیوں دکھائے؟ پس اتمام حجت کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے مخالفین اور معاندین کو دین کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اُنہیں معجزات بھی دکھاتے ہیں خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔

ج: اگر رسول اکرم ﷺ فداہ ابی و امی واقعی عالم جمیع ماکان و مایکون اور مختار کل ہیں تو ان (مفروضہ) عقائد کو اسرار قرار دینا کیسے درست ہوا؟ اگر عقائد کو مخالفین و معاندین سے چھپایا جائے گا تو ان پر حجت کیسے پوری ہوگی اور پیغمبر کی بعثت کا مقصد کیسے پورا ہوگا؟ یہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ کے اصحاب ماں کے پیٹ سے ہی آپ پر ایمان نہیں لے آئے تھے۔ ان کی بھاری اکثریت پہلے حالت کفر و شرک ہی میں تھی اور ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو پہلے آپ ﷺ کے بدترین دشمن تھے بعد میں انہیں ہدایت نصیب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ان پر صحیح عقائد واضح کئے گئے تب ہی تو وہ دیا بدیر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے اصحاب و احباب میں شامل ہوئے۔ اسی طرح یہاں یہ عذر بھی باطل ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کی باتوں سے کفار کو ٹالتے تھے۔ اس صورت میں ان پر حجت کیسے پوری ہوگی اور یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کفار کو ٹالنے کے لئے خلاف حقیقت اور غلط بات ان سے کہیں؟ حضرات انبیاء علیہم السلام (معاذ اللہ) دورنگی اختیار نہیں فرماتے۔ پس عقائد کو اگر اسرار قرار دیا جائے اور ناحق یہ کہا جائے کہ رسول اکرم ﷺ عقائد کے معاملے میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کفار سے کچھ اور کہتے تھے اور مسلمانوں سے کچھ اور، تو اس صورت میں آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کیسے قرار دیا جائے گا اور کیا ان (جھوٹے) مفروضات اور (فاسد) تاویلات سے آپ کی سخت توہین نہیں ہوتی؟ یہ کہنا بھی خاصا مضحکہ خیز ہے کہ رسول اکرم ﷺ کفار و مشرکین کے سامنے تواضعاً یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے عالم الغیب اور مختار کل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ عقائد میں بھلا تواضع اور انکسار سے کام لینے کا کیا مطلب؟ نیز کیا آپ اس طرح کے مواقع پر اس تواضع اور انکسار سے مسلمانوں کی بہ جائے کفار و مشرکین کو نوازا کرتے تھے کہ ان سے آپ ﷺ فرمائیں کہ میں عالم الغیب اور مختار کل نہیں ہوں اور مسلمانوں سے فرمائیں کہ مجھے غیب کلی کا علم دیا گیا ہے اور مجھے ہر چیز کا مالک بنایا گیا ہے؟ کیا آپ ﷺ کی ذات اقدس کی جانب اس درانگی کو منسوب کرنے سے آپ ﷺ کی توہین نہیں ہوتی؟ آپ نے علی الاعلان یہ دعویٰ فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، آپ ﷺ نے برملا اعلان فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں، میں تمام رسولوں کا قائد ہوں، قیامت کے روز سب سے پہلے میں ہی اللہ تعالیٰ سے سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کی جائے گی وغیرہ۔ یہاں تو آپ ﷺ نے تواضع اور انکسار کے پردے میں حقائق و عقائد کو نہیں چھپایا۔ اب اگر یہ (جھوٹا) مفروضہ قائم کیا جائے کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم سے تواضعاً فرمایا کرتے تھے کہ میں تم جیسا بشر ہوں (لیکن حقیقت یہ ہے کہ ظاہری صورت و شکل میں تمہاری طرح ہوں ورنہ میں ہرگز بشر نہیں بل کہ مافوق البشر ہوں)، آپ ﷺ اللہ کے حکم سے تواضعاً فرمایا کرتے تھے کہ میں

تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں (لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے غیب کلی کا علم عطا کیا گیا ہے اور مختار کل کی حیثیت سے مجھے سب خدائی خزانوں کا مالک بھی بنایا گیا ہے) تو کیا نام نہاد تواضع اور انکسار کے پردے میں ایسا (مفروضہ) رویہ کتمان حق کے زمرے میں نہیں آئے گا اور کیا اس سے آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم ہوتی ہے یا سخت توہین لازم آتی ہے؟

تواضع اور انکسار کے اس خود ساختہ فلسفے کو قبول کرلیا جائے تو کوئی ملحد یہ دعویٰ بھی کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ حقیقت میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خدا تھے لیکن ازراہِ تواضع وانکسار آپ ﷺ نے صرف رسالت کے دعوے پر اکتفا فرمایا اور قرآن میں جو جابہ جا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بندہ اور بشر قرار دیا ہے تو اس سے مقصود آپ ﷺ کو تواضع اور انکسار کی تعلیم دینا تھا۔ عیسائیوں کو جب پولس نے شرک کی دلدل میں پھنسایا اور اس نے حضرت یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا تو یہ مشکل سوال پیش آیا کہ کیا لوگ خدا کو پکڑ کر اس کی خوب خوب تذلیل کر کے سولی پر بھی چڑھا دیا کرتے ہیں جیسا کہ (محرف) اناجیل میں مذکور ہے؟ یہاں پولس کو بھی اس نام نہاد تواضع اور انکسار کا سہارا لیتے ہوئے یہ دل چسپ جواب دینا پڑا ''اس (یسوع) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضے میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا بل کہ اپنے آپ کو خالی کردیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہوگیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہوکر اپنے آپ کو پست کردیا اور یہاں تک فرماں بردار رہا کہ موت بل کہ صلیبی موت گوارا کی۔'' (۱۷/ب) لیکن بہ قول پولس اصل حقیقت یہ ہے کہ ''الوہیت کی ساری معموری اسی (یسوع) میں مجسم ہوکر سکونت کرتی ہے۔'' (۱۷/ج) یہاں جب یہ اشکال پیدا ہوا کہ حضرت یسوع علیہ السلام نے (مفروضہ) مختار کل کی حیثیت سے اپنے آپ کو دشمنوں سے کیوں نہ بچایا اور کیوں مصلوب ہوئے؟ آپ کو اگر خدا نے سارے اختیارات سونپ رکھے تھے اور خدا (معاذ اللہ) آپ کی ہر خواہش اور مرضی کو پورا کرنے کا پابند تھا تو آپ نے اپنی مرضی پوری کیوں نہ کروائی؟ اس مشکل سوال سے پیچھا چھڑانے کے لئے حضرت یسوع علیہ السلام کے منہ میں محرف اناجیل کی رو سے یہ کلمات ڈالنے پڑے ''کیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ سے منت کرسکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کردے گا، مگر وہ نوشتے کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے کیوں کر پورے ہوں گے؟'' (۱۸/الف) یعنی میں مختار کل تو ہوں۔ خدا (معاذ اللہ) میری مرضی پر چلتا ہے مگر میں راضی بہ قضا ہوں۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو ہمارے بعض بھائی کہتے ہیں کہ مثلاً بئر معونہ اور رجیع کے حوادث کا رسول اکرم ﷺ کو پیشگی علم تھا۔ آپ ﷺ کو دشمنوں کے مکر وفریب کا بھی علم تھا پھر بھی آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس لئے بھیج دیا

تھا کہ وہ شہید ہو جائیں۔ گو آپ بہ قول ان حضرات کے مختار کل تھے لیکن شہادت ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی اس لئے آپ راضی بہ قضا تھے۔ اور مثلاً غزوۂ خیبر کے ایام میں زینب بنت الحارث یہودی عورت نے آپ ﷺ کو اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو زہر آلود گوشت کھلایا تھا جس سے حضرت بشر رضی اللہ عنہ بن براء بن معرور اور بعض روایات کے مطابق متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہو گئے تھے اور جس کے زہر سے آپ ﷺ خود بھی لگاتار تکلیف اُٹھاتے رہے اور مرضِ وفات کے ایام میں تو اس سے آپ ﷺ کو اپنی رگِ جان کٹتی محسوس ہو رہی تھی، تو بہ قول ان حضرات کے یہ سب کچھ آپ ﷺ کو پہلے ہی معلوم تھا لیکن آپ ﷺ راضی بہ قضا تھے۔ حال آں کہ دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے اپنی اور دوسروں کی جان کو یوں خطرے میں ڈالنا خودکشی اور قتل ناحق کے زمرے میں آتا ہے جسے ناحق رضا بہ قضا کا نام دیا جا رہا ہے۔ اگر یہی رضا بہ قضا ہے تو رضا بالمعصیت اور رضا بہ قضا میں حدّ فاصل اور امتیاز کیا ہے؟ ہر مجرم اپنے جرم کے جواز کے لئے رضا بہ قضا کا حوالہ دے گا۔ الغرض حضرات انبیاء علیہم السلام اور تمام نیک لوگوں کا دامن تواضع، انکسار اور رضا بہ قضا کی اس جھوٹی تعبیر و تشریح سے قطعاً پاک ہے اور ان کا مقام و مرتبہ اس سے بہت بلند ہے۔

د: سورۂ انعام کی آیت قُل لاَّ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّهِ الخ میں لاَّ أَقُولُ کے کلمات سے صرف قول کی نفی مراد لینا ایک مضحکہ خیز اور لچر تاویل ہے۔ اسی آیت میں یہ بھی ہے ولا اقول لکم انی ملك یعنی میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ تو مذکورہ تاویل کی رو سے یہاں بھی قول کی نفی مراد ہونی چاہئے نہ کہ مقولے کی اور مطلب یہ ہونا چاہئے کہ میں گو فرشتہ ہوں لیکن تمہارے سامنے اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر یہ مفہوم بالاتفاق غلط ہے تو مذکورہ تاویل کا لچر ہونا بھی واضح ہو گیا۔ آیت کا مفہوم اپنی جگہ پر واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ غیب جانتے ہیں۔ ''لا نافیہ'' جب بھی کسی قول پر داخل ہوگا تو لازماً اور یقیناً اس سے مقولے کی نفی بھی مراد ہوگی۔ شہدا کے متعلق سورۂ بقرہ میں ہے وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاء وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ O (۱۸/ب) ''اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں: مردے نہ کہو بل کہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (ان کی اس زندگی کا) شعور نہیں رکھتے۔'' دیکھئے یہاں بھی ''لا نافیہ'' قول پر داخل ہے تو آیت کا یہ مطلب لینا بالاتفاق باطل اور مردود ہے کہ تم زبان سے تو شہدا کے مردہ ہونے کا دعویٰ نہ کیا کرو لیکن حقیقت میں وہ مردے ہیں۔ پس سورۂ انعام کی زیر بحث آیت میں بھی مقولے کی نفی یقیناً مراد ہے۔ سورۂ نساء میں ہے وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً (۱۸/ج) ''اور اس شخص کو جو

تمہیں سلام کرے یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو مومن نہیں ہے۔'' دیکھئے یہاں بھی ''لا نافیہ'' قول پر داخل ہے۔ آیت کا یہ مطلب لینا بالاتفاق باطل و مردود ہے کہ سلام کرنے والے شخص کے مومن نہ ہونے کا زبان سے تو دعویٰ نہ کیا کرو لیکن دل میں اسے کافر ہی سمجھو۔ پس سورۂ انعام کی زیر بحث آیت میں بھی مقولے کی نفی یقیناً مراد ہے۔ اسی سورۂ نساء میں ہے وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ (۱۹/ الف) ''اور تم یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں، اس سے باز آجاؤ۔ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔'' دیکھئے یہاں بھی ''لا نافیہ'' قول پر داخل ہے۔ آیت کا یہ مطلب لینا بالاتفاق باطل اور مردود ہے کہ تم اپنی زبان سے تو یہ دعویٰ نہ کیا کرو کہ خدا تین ہیں لیکن (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خدا تین ہی ہیں۔ پس سورۂ انعام کی زیر بحث آیت میں بھی مقولے کی نفی یقیناً مراد ہے۔ سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کا قول دیا گیا ہے وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ○ (۱۹/ ب) ''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب نہیں جانتا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، نہ ہی میں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری نگاہیں ذلیل قرار دے رہی ہیں۔ یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان ہیں ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا، ان کے دل میں جو کچھ ہے اللہ ہی اسے سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ میں اگر ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔'' دیکھئے یہاں آیت کے آخری حصے میں بھی ''لا اقول'' لایا گیا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ یہاں صرف قول کی نفی مراد ہے، مقولے کی نہیں تو مطلب یوں ہوگا کہ میں زبان سے تو یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے ساتھیوں کو اللہ کوئی بھلائی نہیں دے گا لیکن حقیقت میں (معاذ اللہ) یہ کسی بھلائی کے لائق نہیں ہیں۔ اگر یہ مفہوم بالاتفاق باطل اور مردود ہے تو آیت کے ابتدائی حصے میں بھی قول ہی کی نہیں مقولے کی نفی بھی یقیناً مراد ہے اور سورۂ انعام کی زیر بحث آیت کا ابتدائی حصہ بھی سورۂ ہود والی مذکورہ آیت والا ہی ہے۔ سورۂ ہود کی مذکورہ آیت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ میرے ان ساتھیوں کے دلوں کا حال اللہ ہی خوب جانتا ہے یعنی میں تو صرف ان کے ظاہر سے انہیں پہچانتا ہوں۔ نیز سورۂ شعراء میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا قول یوں دیا گیا ہے قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ○ (۱۹/ ج) ''(نوح نے) کہا کہ (میرے ان ساتھیوں کا) مجھے (یقینی اور قطعی) علم نہیں کہ وہ کیا عمل کرتے ہیں، ان کا حساب تو صرف اللہ کے ذمے ہے اگر تم سمجھ سے کام لو۔'' اس تمام وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے بہ حکم الٰہی فرمایا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں، اور جب آپ ﷺ نے بہ حکم الٰہی

فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں تو یہاں بھی مقولے کی نفی لازماً اور یقیناً مراد ہے۔ سورۂ نمل میں ہے قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (۲۰/ الف) ''(اے پیغمبر!) تو کہہ کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا اور نہ ہی لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان ہیں (بروز قیامت) کب دوبارہ (زندہ کر کے) اُٹھایا جائے گا۔'' دیکھئے یہاں تو ''لانافیہ'' قول پر نہیں بل کہ صرف مقولے پر ہی داخل ہے۔ آیت کا آخری حصہ بتا رہا ہے کہ لوگوں کو اپنے دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کا عطائی علم بھی حاصل نہیں ہے ورنہ عطائی علم بھی وقت کی تعیین کے لئے کافی ہوتا۔ پس آیت کے ابتدائی حصے میں بھی عطائی غیب ہی کی نفی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کے بغیر مخلوق کے لئے کسی چیز کا ذاتی طور پر مالک ہونا یا کسی بات کا ذاتی طور پر معلوم ہونا سراسر خلاف عقل اور محال ہے۔ جب اس طرح کا ذاتی علم اور ذاتی ملکیت زید، عمرو، بکر وغیرہ سب کے لئے محال ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام ہی کی کیا تخصیص ہے کہ کوئی نبی یہ کہے کہ میں ذاتی طور پر غیب نہیں جانتا اور میں ذاتی طور پر اللہ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں۔ پس سورۂ انعام کی زیر بحث آیت کے ترجمے میں ''آپ اور خود'' جیسے کلمات گھسیڑنا اور وہ بھی قوسین میں لائے بغیر ایسے کلمات ڈال دینا اور یوں ترجمہ کرنا ''اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں'' قرآن کریم کی بدترین معنوی تحریف ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں تو اس سے خزانوں کی ملکیت کی نفی لازماً مراد ہوگی۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا گیا قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (۲۰/ ب) ''(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا مالک ہوں مگر جو اللہ چاہئے۔'' دیکھئے اس طرح کی آیات میں تو ''عندی'' (میرے پاس) کا کلمہ نہیں بل کہ ''لا املک'' (میں مالک نہیں ہوں) کے کلمات لائے گئے ہیں۔ جو خزانوں کا مالک اور مختار کل بنایا گیا ہو اس سے اس طرح کے اعلانات ہرگز نہیں کرائے جاتے۔ پس یہ تاویل قطعاً غلط ہے کہ کسی چیز کا مالک ہونا اور بات ہے اور اس کا اپنے پاس نہ ہونا اور بات ہے جسے ناحق مختار کل قرار دیا گیا ہو نہ صرف اسے ہر چیز کے مالک ہونے کا بل کہ اس تک رسائی اور پہنچ کا بھی مکمل اختیار ہوگا۔

ھ: بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق واقعات کی چل رہی تھی۔ آپ معجزانہ طور پر بغیر باپ کے اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ماں کی گود میں ہی معجزہ عطا فرمایا کہ جب لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر اُنگلیاں اُٹھائیں تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں کہیں بھی

ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے اور اس نے مجھے جب تک میں زندہ رہوں نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اس نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میری موت ہوگی اور جس دن میں دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا، مجھ پر سلام ہی سلام ہے۔'' (۰۲/ج) ایسا اس لئے ہوا کہ لوگوں کے لئے آپ پر اور آپ کی والدہ ماجدہ پر کسی طرح کے بہتان اور اعتراض کی ہرگز گنجائش نہ رہے اور جو لوگ آپ کو ''اللہ کا بندہ'' کی بہ جائے خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیں، ان پر حجت پوری ہو جائے۔ بارہا یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو بہت سی جزئیات پر مطلع فرماتا ہے۔ ساری شریعت غیب ہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ رسولوں کو مطلع فرماتا ہے لیکن یہ کسی بھی صورت میں غیب کلی کا علم نہیں بل کہ غیب جزئی پر اطلاع ہے۔

قرآن کریم میں سب کے سب گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات مذکور نہیں بل کہ صرف بعض پیغمبروں کے بھی اتنے ہی حالات و واقعات مذکور ہیں جن سے عقائد کی اصلاح اور دیگر متعلقہ مقاصد پورے ہو سکیں۔ سورہ ہود میں ہے کہ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ (۲۱/الف) ''اور ہم رسولوں کے سب احوال تجھ پر بیان کر رہے ہیں جن کے ذریعے ہم تیرے دل کو مضبوط رکھیں۔'' یہاں آیت میں لفظ ''کل'' کا تعلق رسولوں سے نہیں بل کہ رسولوں کی ان خبروں سے ہے جن سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی تسکین اور مضبوطی مطلوب ہے۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو سب کے سب رسولوں کے احوال پر مطلع کیا گیا ہے، چناں چہ سورہ ہود مکی سورت ہے اور اس کے بعد سورۂ نساء میں جو مدنی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (۲۱/ب) ''اور (کئی) رسول ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے ان کے حالات تجھے بتا دیئے ہیں اور کئی رسول ایسے (بھی) ہیں جن کے حالات ہم نے تجھے نہیں بتائے۔'' اگر سورۂ ہود والی آیت کا یہ (غلط) مطلب لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب کے سب رسولوں کے احوال پر مطلع فرما دیا تھا تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) بھول گیا تھا کہ میں سب رسولوں کے احوال اپنے پیغمبر کو بتا چکا ہوں اس لئے بعد میں مدنی سورت میں پھر فرمایا کہ کئی رسولوں کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔ کوئی بھی عقل مند شخص ہرگز اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم کی محکم آیات کی گرفت سے بچنے کے لئے ایک فاسد تاویل یہ بھی کی جاتی ہے کہ انسانوں کی خداداد صلاحیتیں دیکھنا سننا وغیرہ مثلاً نیند کی حالت میں معطل و موقوف ہو جاتی ہیں، مسلوب نہیں ہوتیں۔ اسی طرح بہ قول ان حضرات کے حضرات انبیاء علیہم السلام کی غیب دانی وغیرہ کی صلاحیت

بعض اوقات معطل ہوجاتی ہے مگر مسلوب نہیں ہوتی لہٰذا بعض امور یا بعض احوال سے ان کی بے خبری کا (بقول ان لوگوں کے) یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ پیغمبروں اور اولیا کو غیب کلی کا علم نہیں دیا گیا ہے۔ یہاں دل چسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مفروضے کے تحت جب انبیاء اور اولیا اپنی خداداد صلاحیتوں کے معطل وموقوف ہونے کی حالتوں سے باہر آتے ہیں تو کیا وہ اس پر قادر ومختار ہیں یا نہیں کہ جو باتیں اور جو امور ان سے مخفی رہ گئے تھے ان ہی معلوم کرلیں؟ اگر نہیں تو اُنہیں مختار کل اور عالم الغیب کہنا درست نہ ہوا۔ اگر وہ قادر ہیں تو یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کے واقعاتی شواہد اور دیگر دلائل اس کی بھرپور تردید کررہے ہیں۔ اس طرح کی ہزاروں بل کہ لاکھوں تاویلات فاسدہ سے بھی قرآن کریم کی محکمات سے پیچھا نہیں چھڑایا جاسکتا۔

۱۴۔ **بہ حوالہ حضرت مریم علیہا السلام:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں صدیقہ قرار دیا ہے۔ (۲۱/ج) صدیقیت ولایت کا بلند ترین مرتبہ ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی لبادے میں آئے تو آپ اُنہیں پہچان نہ سکیں۔ اُنہیں فرشتے کی بہ جائے انسان سمجھتے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ ''میں تجھ سے رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی پناہ طلب کرتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔ (۲۲/الف) یعنی تیرا یہاں میرے پاس آنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اُنہیں بتایا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ (اللہ کی طرف سے) تجھے پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ (مریم نے) کہا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا، حال آں کہ مجھے تو کسی انسان نے کبھی چھوا ہی نہیں اور نہ ہی میں بدکار عورت ہوں۔ (فرشتے نے) کہا اسی طرح ہوگا، تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اس (لڑکے) کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کاملہ کی) نشانی ٹھہرائیں۔ ایسا ہونا (اللہ کی طرف سے) طے شدہ ہے۔'' (۲۲/ب) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کو ہرگز غیب کلی کا علم عطا نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی اُنہیں حاضر وناظر بنایا گیا تھا ورنہ اُنہیں سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہوتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور انسانی لبادے میں ان کی تبدیلی کے تمام مناظر ومراحل ان سے مخفی نہ رہتے۔

۱۵۔ **بہ حوالہ اصحاب کہف:** اصحاب کہف (غار والوں) کا تعلق بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت سے ہے۔ یہ لوگ اپنے زمانے کے ظالم وجابر بادشاہ کے ظلم وجبر سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے وہیں ان پر نیند مسلط فرمادی اور وہ تین سو سال تک اسی حالت میں وہاں پڑے رہے۔ جب بیدار ہوئے تو اُنہیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ ہم کتنے عرصے تک یہاں پڑے رہے ہیں۔ ان کا خیال

تھا کہ ہم ایک آدھ دن یہاں رہے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو بازار میں سودا سلف اور کھانا لانے کے لئے بھیجا تو اسے تاکید کردی کہ چپکے سے جانا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے کسی کو ہمارا پتہ چل جائے۔ (۲۲/ج) اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کے مقرب اولیاء میں سے ہیں۔ اُنہیں اگر غیب کلی کا علم دیا گیا ہوتا اور حاضر و ناظر بنایا گیا ہوتا تو اپنوں اور دوسروں کے متعلق ان کی بے خبری کا یہ حال نہ ہوتا۔ اگر وہ مختار کل بنائے گئے ہوتے تو ظالم و جابر اور مشرک حکمرانوں پر غالب آتے نہ کہ خود اُنہیں کسی غار میں پناہ ڈھونڈنی پڑتی۔

چوتھا حصہ

الف: بہ حوالہ عبارت و استعانت

۱۔ امور عادیہ (ماتحت الاسباب)، امور غیر عادیہ (مافوق الاسباب)، سلسلہ اسباب و مسببات، اسناد مجازی اور اشتراک اسمی و فعلی وغیرہ کی وضاحت دوسرے شبہے کے جواب میں کی جا چکی ہے۔ (۲۳/الف) (اور مزید وضاحت ان مضامین کے آخر میں کی گئی ہے) یہاں یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ بعض امور وہ ہیں جو بندوں اور مخلوق کے اختیار میں اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں اور بعض امور وہ ہیں جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جو چیزیں بندوں کے اختیار میں ہیں اُنہیں ماتحت الاسباب امور یا امور عادیہ کہا جاتا ہے اور جو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اُنہیں مافوق الاسباب اور یا امور غیر عادیہ کہا جاتا ہے۔ سابقہ مباحث میں یہ اچھی طرح واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی بھی زمانے میں عالم جمیع ما کان و ما یکون، مختار کل، قادر مطلق اور حاضر و ناظر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں اور مافوق الاسباب اور امور غیر عادیہ (غیر اختیاری امور) میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا بھی درست نہیں۔ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں آیت إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی شامل ہے کہ (اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور (مافوق الاسباب یعنی غیر اختیاری امور میں) صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہاں ''ایاک'' کی ضمیر مخاطب کو اسی لئے پہلے لایا گیا ہے کہ کلام میں حصر پیدا کرنا مقصود ہے کہ ہم صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے اور (مافوق الاسباب یعنی غیر اختیاری امور میں) صرف اور صرف اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ آیت میں ''ایاک'' کا تکرار معنی خیز ہے۔ یہ بلاوجہ نہیں۔ مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت کے لئے یہ بہانہ تراشنا قرآن کریم کی صاف صاف تکذیب اور مشرکین کی کھلی ہم نوائی ہے کہ اگر حقیقی مستعان تو اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا جائے اور مخلوق مثلاً انبیائے کرام، صحابہ عظام اور اولیاء اللہ کو مظہر عون الٰہی

سمجھ کر پکارا جائے اور ان سے مافوق الاسباب امور میں مدد مانگی جائے تو یہ جائز ہے اور یہ کہنا ظلم پر ظلم ہے کہ قرآن وحدیث سے اس کھلے شرک کا (معاذ اللہ) جواز ملتا ہے۔ مشرکین بتوں، ملائکہ اور جنات کو، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مظہر عون الٰہی سمجھتے ہوئے ہی ان سے استعانت کرتے ہیں۔ ان کا ہرگز اس سے انکار نہیں کہ حقیقی مستعان صرف اللہ ہی ہے۔ پھر یہی فاسد تاویل ایاك نعبد میں بھی ہوسکتی ہے۔

مشرکین بتوں کی اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت ان ہیں مظہر تقرب الٰہی سمجھتے ہوئے کرتے ہیں۔ مشرکین عرب کہا کرتے تھے مانعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ (۲۳/ب) ''ہم ان (بتوں وغیرہ) کی عبادت اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں گے۔'' عیسائیوں کے متعلق سورۂ مائدہ میں ہے کہ ''مسیح بن مریم صرف اللہ کا رسول ہے، اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور اس کی ماں صدیقہ ہے۔ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے (جو کھانے کا محتاج ہو وہ خدا اور معبود نہیں ہوسکتا، وہ مختار کل نہیں ہوسکتا) تو دیکھ ہم کس طرح ان کے لئے آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر تو دیکھ وہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟ تو کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تو تمہارے نقصان کی اور نہ ہی نفع کی مالک ہیں اور وہ (اللہ) سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' (۲۳/ج) غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے مظہر تقرب الٰہی اور مظہر عون الٰہی کی آڑ میں مشرکین اور نصاریٰ کے شرک کو درست قرار نہیں دیا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت اور ان سے امور غیر عادیہ/ مافوق الاسباب میں استعانت اُنہیں مظہر عون الٰہی اور مظہر تقرب الٰہی سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ مشرکین مظاہر فطرت سورج چاند ستاروں شجر وحجر اور حیوانات کی عبادت اور ان سے استعانت کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ سب مظہر قدرت الٰہی ہیں۔ یہ مظہر جمال الٰہی ہیں۔ یہ مظہر جلال الٰہی ہیں وغیرہ۔ بعض مشرکین نہایت پست سطح پر اُتر کر مردانہ وزنانہ اعضائے تناسل کی پوجا کرتے ہیں اور اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ انسانوں اور دیگر حیوانات کا تولیدی نظام مظہر تخلیق الٰہی ہے۔ اب اگر مظہر تقرب الٰہی، مظہر قدرت الٰہی، مظہر جمال الٰہی، مظہر جلال الٰہی، مظہر تخلیق الٰہی کے خوش نما عنوانات کے تحت مخلوق کی عبادت اور اس سے مافوق الاسباب امور میں استعانت (کہ یہ بیٹا بیٹی دیتے ہیں، بارش برساتے ہیں، روزی بڑھاتے ہیں، زندگی اور عمر بڑھاتے ہیں وغیرہ) کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے، تو بعینہٖ اسی طرح مظہر عون الٰہی کے بہانے سے مافوق الاسباب امور میں انبیا اور اولیاء وغیرہ سے مدد طلب کرنا یا ان کی عبادت کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت اور دعا دراصل عبادت ہی کی ایک صورت ہے۔ چناں چہ سورۂ مومن میں ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَO (۲۴/الف) ''اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھے پکارا کرو میں تمہاری دعا (پکار) کو قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے از راہِ تکبر احتراز کرتے ہیں وہ عن قریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے دعا اور پکار کو عبادت قرار دیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں **الدعاء هو العبادة** کہ دعا عبادت ہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وقال ربکم ادعونی استجب لکم الاية** (۲۴/ب) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **الدعاء مخ العبادة** (۲۴/ج) کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ یہ نہایت افسوس ناک جہالت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا جائے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانتے ہیں پھر سلام پھیرتے ہی مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت کے سو سو بہانے تراشے جائیں۔ سورۂ فاطر میں ہے **وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍO اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍO** (۲۵/الف) ''اور وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم اُنہیں پکارو تو تمہاری (غائبانہ) پکار وہ سن نہیں سکتے اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو بھی (مافوق الاسباب امور میں) تمہاری درخواست کو قبول نہیں کر سکتے اور بروز قیامت وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور جیسے (صحیح باتیں) تجھے باخبر (اللہ) بتاتا ہے اور کوئی نہیں بتائے گا'' یہاں غور کیجئے ان **تدعوهم** کے مقابلے میں **ولو سمعوا ما استجابو لكم** کے کلمات لا کر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں دعا اور پکارنے کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ لہٰذا یہ تاویل باطل ہے کہ غیر اللہ (مخلوق) کو پکارنے کی آیات میں پکارنے سے مراد دعا نہیں بل کہ مخلوق کی عبادت مراد ہے۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مافوق الاسباب امور میں مخلوق کو پکارنا عبادت ہی کی ایک صورت ہے۔ مذکورہ آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں ملائکہ، جنات، انسانوں یا کسی بھی مخلوق کو پکارنا شرک ہے اور یہ تاویل نہایت ہی لچر ہے کہ مخلوق سے استعانت کے شرک ہونے پر قرآنی آیات صرف بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اس لغو تاویل کو قبول کیا جائے تو مثلاً اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ بل کہ ہر جاندار کی پوجا کرنے والے بھی اطمینان سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم بے جان بتوں کی پوجا نہیں کر رہے اور ہم بے جان بتوں سے استعانت نہیں کر رہے بل کہ جان دار مخلوق سے کر رہے ہیں۔ متعلقہ قرآنی آیات میں **من دون الله** ''اللہ کے علاوہ'' کی عبادت اور ان سے مافوق الاسباب امور میں استعانت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صرف مخلوق ہی

عبادت اوراس سے استعانت کی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ مخلوق کو بھی اس کی عبادت اور اس سے استعانت میں شریک کیا جائے۔ یہ دونوں ہی صورتیں شرک میں داخل ہیں۔ قرآن میں من دون اللہ ''اللہ کے علاوہ'' کا اطلاق صرف بتوں پر ہی نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ دونوں پر من دون اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہ روز قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمائیں گے أنت قلت للناس اتخذونی وامّی الٰھین من دون اللہ (۲۵/ب) ''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو''؟۔ علماء، درویشوں اور عام بندوں پر بھی من دون اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (۲۵/ج) ''انہوں نے (یعنی عیسائیوں نے) اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے''۔ سورۃ اعراف میں ہے إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (۲۶/الف) ''بے شک تم جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح (اللہ کے) بندے ہیں''۔ سورۃ احقاف میں ہے وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ○ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاء وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ (۲۶/ب) ''اور اس شخص سے زیادہ گم راہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسی مخلوق کو پکارتا ہے جو اسے قیامت تک جواب نہیں دے گا اور وہ ان کی (غائبانہ) پکار سے بے خبر ہیں۔ اور جب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کریں گے''۔ سورۃ المائدہ میں نصاریٰ کے متعلق کہا گیا ہے قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۲۶/ج) (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ایسی مخلوق (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو پکارتے ہو جو تمہارے نفع اور نقصان کے مالک نہیں اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''من دون اللہ'' (اللہ کے سوا) قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ عالم الغیب اور حاضر وناظر نہیں ہیں کہ دور ونزدیک سے تمہاری ہر پکار کو وہ سنتے ہوں۔ قرآن کریم میں بعض مقامات پر من دون اللہ کے کلمات لائے بغیر بھی شرک کی وضاحت کی گئی ہے لہٰذا دور از کار تاویلات باطل ہیں۔ سورۂ مومن میں ہے: ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ (۲۷/الف) ''(جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ) اس عذاب کا سبب یہ ہے کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر (اس پکار میں دوسروں کو بھی) اس کے ساتھ شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے

تو حکم تو اللہ ہی کا ہے جو (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے۔'' سورۂ زمر میں ہے کہ ''جب ایک اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے جب اس کے علاوہ (عبادت اور مافوق الاسباب امور میں استعانت اور دعا کے لئے) دوسروں کا بھی ساتھ ذکر کیا جائے تو وہ یکا یک خوش ہو جاتے ہیں۔'' سورہ جن میں ہے وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً (۲۷/ب) ''اور بے شک سجدے اللہ ہی کے لئے ہیں سو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔'' دیکھئے یہاں من دون اللہ کی بہ جائے مع بہ معنیٰ ''ساتھ'' لایا گیا ہے۔ سورۂ احقاف میں ہے: ''(اے پیغمبر!) تو کہہ بھلا دیکھو تو سہی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ اُنہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں ان کی کون سی ساجھ ہے اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کتاب یا علم جو نقل کیا جاتا ہو میرے پاس لاؤ۔'' (۲۷/ج) سورۂ انعام میں ہے کہ ''(اے پیغمبر!) تو کہہ دے بھلا دیکھو تو سہی اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو بل کہ اسی کو پکارنا پڑے گا پھر وہ تمہاری مصیبت کو دور کرے گا اگر وہ چاہے اور تم اُنہیں بھول جاؤ گے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔'' (۲۷/د)

۲۔ سورۂ یونس میں ہے کہ ''وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُنہیں نقصان پہنچا سکیں اور نہ ہی اُنہیں نفع دے سکیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کیا تم اللہ کو (بہ عم خویش) وہ چیز بتلاتے ہو جو اسے آسمانوں اور زمین میں معلوم نہیں۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جنہیں وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (۲۸/الف) سورۂ حج میں ہے کہ ''وہ (مشرک) اللہ کے سوا اسے پکارتا ہے جو اسے نہ تو کوئی نقصان پہنچا سکے اور نہ ہی کوئی فائدہ دے سکے، یہی تو وہ دور کی گم راہی ہے۔'' (۲۸/ب) سورۂ اعراف میں ہے کہ ''بے شک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں۔ سو تم اُنہیں (مافوق الاسباب امور میں) پکار دیکھو تو اُنہیں چاہئے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچے ہو۔'' (۲۸/ج) اور اسی سورۂ اعراف میں ہے کہ ''کیا وہ ایسی چیزوں کو (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بل کہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ ان کو (مافوق الاسباب امور میں) کوئی مدد نہیں پہنچا سکتے اور وہ خود بھی اپنی مدد نہیں کر سکتے۔'' (۲۹/الف) سورۂ یونس میں ہے ''اور تو اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکار جو تجھے (مافوق الاسباب امور میں) نہ نفع پہنچائے اور نہ ہی نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو بے شک تو ظالموں میں سے ہو جائے گا، اور اگر اللہ تجھے نقصان پہنچائے تو اسے اس کے سوا کوئی اور دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیری بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی بھی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا نہایت

مہربان ہے۔'' (۲۹/ب) سورۂ رعد میں ہے کہ'' سچا پکارنا اسی اللہ کو (پکارنا) ہے اور جو لوگ اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں تو وہ ان کی (غائبانہ) پکار کا جواب نہیں دے سکتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کے لئے پھیلائے تا کہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے، حال آں کہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کا (غیر اللہ) کو پکارنا نرا گم راہی میں (پڑنا) ہے۔'' (۲۹/ج) سورۂ نحل میں ہے کہ'' جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو (مافوق الاسباب امور میں) پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں، فانی ہیں (ہمیشہ کے لئے) زندہ نہیں ہیں ان کو تو آ بھی خبر نہیں کہ کب (دوبارہ زندہ کر کے) اُٹھائے جائیں گے۔'' (۳۰/الف) سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ'' (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ جن لوگوں کو تم نے اس (اللہ) کے علاوہ کارساز سمجھ رکھا ہے، اُنہیں (مافوق الاسباب امور میں) تم پکار دیکھو وہ نہ تو تمہاری تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ ہی مصیبت کو پھیر سکتے ہیں۔'' (۳۰/ب) سورۂ شعراء میں ہے کہ'' تو اللہ کے ساتھ (عبادت کے لئے یا مافوق الاسباب امور میں استعانت کے لئے) کسی اور معبود کو نہ پکار ورنہ تو عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں سے ہو جائے گا۔'' (۳۰/ج) سورۂ مومن میں ہے کہ'' وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو، سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے دلائل پہنچ چکے ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں جہانوں کے پروردگار کی فرماں برداری کروں۔'' (۳۱/الف) سورۂ سبا میں ہے کہ'' (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ تم ان لوگوں کو پکار دیکھو جن کو تم نے (مافوق الاسباب امور میں) حاجت روا سمجھ رکھا ہے، وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی ان چیزوں میں (اللہ سے) کوئی سانجھ ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔'' (۳۱/ب) سورۂ نمل میں ہے کہ'' بھلا کون ہے جو پریشان حال کی پکار کا جواب دیتا ہے اور کون ہے جو تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں (تمہارے پچھلوں کا) زمین میں جانشین بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔'' (۳۱/ج) سورۂ انعام میں ہے کہ'' اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ کیا ہم (مافوق الاسباب امور میں) اللہ کے علاوہ ایسوں کو پکاریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ ہی نقصان، اور ہم بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ایڑیوں کے بل پھر جائیں؟ اس شخص کی مانند جسے شیاطین نے زمین میں (سیدھی راہ سے) بھٹکا رکھا ہو اور وہ حیران و پریشان ہو، اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ تو ہماری طرف آ جا۔ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اللہ کی (بتائی

ہوئی) راہ ہی اصل سیدھی راہ ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے پروردگار کی فرماں برداری کریں۔'' (۳۲/الف) ہم نے یہاں متعلقہ مضامین کا انبار لگا دیا ہے، تاہم ان مضامین کا یہاں احاطہ و استیعاب مقصود نہیں۔ قرآن واحادیث میں ہرگز ایسا مضمون نہیں ملے گا کہ مافوق الاسباب امور میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد حاصل کرنے کے لیے اسے پکارو یا کسی بھی اور طریقے سے اس کی عبادت کرو۔

۳۔ قرآن کریم میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی متعدد ادعیہ مذکور ہیں۔ کسی بھی پیغمبر نے کبھی بھی اور کہیں بھی مافوق الاسباب امور میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد نہیں مانگی۔ مثلاً آدم علیہ السلام نے کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۳۲/ب)۔ ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔ اور مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے یوں دعا کی: رَبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ (۳۲/ج) اے میرے رب! مجھے برکت والی منزل میں اُتارنا اور تو بہتر اُتارنے والوں میں سے ہے۔'' اور مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لئے یوں دعا مانگی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (۳۳/الف) ''اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔'' اور مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام نے بھی تکلیف میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا: وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (۳۳/ب) ''اور ایوب (پر بھی اللہ نے رحمت نازل فرمائی) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' اور مثلاً حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کی: لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (۳۳/ج) (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔'' (اور مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لئے یوں دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (۳۴/الف) ''اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔'' اور مثلاً مدین پہنچنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو یوں پکارا: رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (۳۴/ب) ''اے میرے رب! تو جو بھلائی بھی میری طرف اُتارے تو میں اس کا محتاج ہوں۔'' اور مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کی درخواست پر ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی: اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۳۴/ج) ''اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دسترخواں اُتار جو ہمارے اگلوں اور

پچھلوں کے لئے ایک خوشی ہوجائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہوجائے اور ہمیں رزق عطا فرما، اور بے شک تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔'' اور مثلاً رسول اکرم ﷺ کو دعا سکھائی گئی: رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۳۵/ الف) ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' الغرض قرآن کریم میں مذکور سب کی سب دعاؤں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا گیا ہے۔ یہاں بھی سب دعاؤں کا احاطہ اور استیعاب مقصود نہیں ہے۔ مذکورہ بالا مثالیں عقل رکھنے والوں کے لئے کافی ہیں۔

ب۔ اختیاری اسباب کے تحت انسانوں اور دیگر مخلوقات سے کسی کو جو بھی نفع ونقصان پہنچتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، کیوں کہ اسباب اور ان اسباب کو اختیار کرنے والی مخلوق سب کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ امور عادیہ یا ماتحت الاسباب میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے مدد طلب کرنا یا نفع ونقصان کو مجازی حیثیت سے انسانوں کی طرف یا کسی اور مخلوق کی طرف منسوب کرنا شرک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دعا کرانا بھی امور عادیہ/ ماتحت الاسباب یعنی اختیاری امور میں شامل ہے۔ یہ شرک نہیں بل کہ نیک لوگوں سے دعا کرانا تو بہتر ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تھی تو اگر وہ (اے پیغمبر!) تیرے پاس آجاتے، پھر اپنے (گناہوں پر) وہ اللہ سے (خود بھی) استغفار کرتے اور (اللہ کا) رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پاتے۔'' (۳۵/ب)

البتہ مافوق الاسباب امور میں اللہ کے سوا یا اللہ کے ساتھ کسی اور کو ملا کر ان سے مدد طلب کرنا کھلا شرک ہے۔ غیر اللہ یعنی مخلوق سے مدد حاصل کرنے کی ان مختلف صورتوں میں امتیاز نہ کرنا مشرکین کو شرک میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے شرک پر امور عادیہ سے استدلال کرتے ہیں حال آں کہ یہ ٹھیک نہیں۔ کسی پیاسے کا کسی سے پانی مانگ لینا، کسی بھوکے کا کسی سے کھانا مانگ لینا، کسی مریض کا طبیب سے دوا مانگ لینا، کسی نادار کا مال دار سے قرض طلب کرنا، کسی سے کہنا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو وغیرہ لاتعداد امور عادیہ ہیں جن میں مخلوق سے استعانت شرک نہیں، لہٰذا ان امور عادیہ میں استعانت کو امور غیر عادیہ میں استعانت سے الگ نہ کرنا اور دونوں کو خلط ملط کر دینا اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس طرح کی متعدد غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا تھا من انصاری الی اللہ (۳۵/ج) یعنی اللہ کی خاطر میری مدد کون کرے گا؟ اس پر حواریوں نے جواب دیا نحن انصار اللہ کہ ہم اللہ کے (یعنی اس کے دین کے) مددگار ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواریوں سے یہ مدد طلب کرنا اور حواریوں کا جواب میں مدد کا وعدہ کرنا ماتحت الاسباب امور میں داخل ہے اور مثلاً حضرت ذوالقرنین سے جب لوگوں

نے کہا کہ یاجوج اور ماجوج کی اقوام نے ہمیں تنگ کر رکھا ہے اس لئے آپ اس درے میں ایک بند قائم کر دیں جس کے لئے ہم آپ کی مالی مدد کریں گی۔ حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ عطا کر رکھا ہے مجھے تمہاری مالی مدد کی ضرورت نہیں۔ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (۳۶/ الف) ''سو تم صرف قوت و طاقت (تعمیراتی سامان اور رجال کار) سے میری مدد کرو۔'' حضرت ذوالقرنین کا لوگوں سے مدد طلب کرنا اختیاری اسباب کے تحت (ماتحت الاسباب) ہے۔ وہ (معاذ اللہ) لوگوں کو عالم الغیب یا مختار کل وغیرہ سمجھتے ہوئے ان سے مافوق الاسباب امور میں مدد نہیں طلب کر رہے تھے اور مثلاً سورۂ بقرۃ میں ہے۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (۳۶/ ب) ''اور تم نماز اور صبر کے ذریعے مدد حاصل کرو۔'' آیت کا مطلب واضح ہے کہ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد حاصل کرو۔ یہاں خود صبر اور نماز سے مدد طلب کرنا مقصود نہیں، چناں چہ دنیا میں کسی شخص کو نہیں دیکھا گیا ہوگا جو اپنی ضرورتوں اور مشکلات میں ''اے نماز! اے صبر!'' کا وظیفہ پڑھتا ہو اور مثلاً سورۂ مائدہ میں ہے وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى (۳۶/ ج) ''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔'' یہاں بھی امور اختیاریہ (ماتحت الاسباب) میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ باہم ایک دوسرے کی نیک اور مباح کاموں میں مدد کرنے والے عالم الغیب، مختار کل اور حاضر و ناظر ہوا کرتے ہیں، اور مثلاً اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے وعدہ لیا تھا کہ اگر تمہارے ہوتے ہوئے اللہ کا کوئی اور رسول آجائے لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ (۳۷/ الف) ''تو تم ضرور بالضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور اس کی مدد کرو گے۔'' یہاں بھی ماتحت الاسباب (اختیاری امور میں) مدد کرنا مراد ہے۔ سورۂ محمد میں ہے إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ (۳۷/ ب) ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔'' یہاں اللہ کی مدد سے مراد اللہ کے دین کی ماتحت الاسباب (اختیاری اسباب کے تحت) مدد کرنا ہے۔ اور مثلاً رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۳۷/ ج) ''اے نبی! اللہ تجھے کافی ہے اور جو مومنین تیری پیروی کر رہے ہیں، وہ تجھے کافی ہیں۔'' نیز فرمایا ہے أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (۳۸/ الف) ''اور اس (اللہ) نے تیری تائید اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعے کی ہے۔'' نیز ارشاد ہے: فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ (۳۸/ ب) ''تو بے شک اللہ اس (نبی) کا دوست ہے اور جبرئیل اور نیک مومنین اور اس کے بعد (دیگر) ملائکہ اس کے مددگار ہیں۔'' اس طرح کی تمام آیات میں مومنین اور ملائکہ کی طرف سے نبی ﷺ کی مدد کرنا ماتحت الاسباب (اختیاری)

امور میں ہے۔یعنی ان امور میں ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور ملائکہ کو محدود اختیار دے رکھا ہے، کیوں کہ مخلوق نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی مختار مطلق ہے۔ ہر مخلوق کے اوصاف اور اختیارات دوسری مخلوق سے مختلف ہو سکتے ہیں۔سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ والذین امنوا (۳۸/ج) ''بے شک اللہ، اس کا رسول اور مومن تمہارے دوست ہیں۔'' یہاں ولی کا معنی دوست کا ہے، جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار یہود ونصاریٰ سے دوستی لگانے سے منع فرمایا ہے۔سورۃ الانفال میں ہے (۳۹/الف) ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' اگر اولیاء کا ترجمہ مددگار کرنے پر اصرار کیا جائے تو بھی ایک دوسرے کی یہ مدد ماتحت الاسباب (اختیاری اسباب کے تحت) ہے۔سورۂ حم السجدہ میں ہے: نَحْنُ اَوْلِیٰٓاءُ کُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (۳۹/ب) ''ہم دنیوی زندگی میں بھی تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے) ساتھی ہیں۔'' اگر یہاں ضمیر ''نحن'' کا مرجع اللہ تعالیٰ کی بہ جائے ملائکہ کو قرار دینے پر اصرار کیا جائے اور اولیاء کا ترجمہ کارساز اور مددگار کیا جائے تو ملائکہ کی یہ مدد ماتحت الاسباب ہے، یعنی ان امور میں ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو محدود اختیار دے رکھا ہے اس نے مختار مطلق اور مختار کل کسی کو نہیں بنایا۔سورۂ بقرہ میں ہے کہ اگر تمہیں اس کتاب یعنی قرآن کریم کے سچے ہونے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر اُتاری ہے تو تم اس کی کسی ایک سورت جیسی کوئی سورت بنا لاؤ: وَادْعُوْا شُھَدَاءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۳۹/ج) ''اور تم اللہ کے سوا اپنے (سب) مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔'' اس سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مافوق الاسباب (غیر اختیاری) امور میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کی جاسکتی ہے بل کہ مخالفین ومعاندین کو تحدی (چیلنج) ہے کہ ان میں ہمت ہے اور ان کے اختیار میں ہے تو کتاب اللہ کی نظیر میں کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور جتنا کچھ محدود اختیار ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اسے آزما دیکھو۔تم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکو گے۔

۲۔حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یوں درخواست کی یا رسول اللہ اسئلك ان تشفع لی الی ربك وَ یعتقنی من النار (۴۰/الف) ''یا رسول اللہ! میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے لئے اپنے رب سے سفارش فرمائیں تو وہ مجھے (جہنم کی) آگ سے بچا لے۔'' یہاں حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی درخواست ماتحت الاسباب (امور عادیہ واختیاریہ میں) ہے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ آپ کو مختار کل نہیں سمجھتے تھے ورنہ یوں نہ کہتے کہ آپ میرے لئے اپنے رب سے سفارش کریں۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی اس درخواست پر فرمایا: فاعنی علی

نفسك بكثرة السجود کہ تو اپنی جان کے لئے سجدوں کی کثرت (یعنی بہ کثرت نماز پڑھنے سے) میری مدد کر۔ یہاں آپ کے ارشاد کا مطلب واضح ہے کہ فرائض کے علاوہ بہ کثرت نوافل پڑھنا تمہارے اختیار میں ہے۔ تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے میری دعا اور سفارش تیرے حق میں قبول ہوگی۔ یوں آپ ﷺ کا حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کرنا اختیاری امور کے تحت ہے نہ یہ کہ آپ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) عالم جمیع ما کان و ما یکون اور مختار کل سمجھ کر مافوق الاسباب (غیر اختیاری) امور میں ان سے کوئی مدد مانگ رہے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحیح ایمان اور اعمال صالحہ کی حتی الوسع کوشش کی جائے اس کے بعد ہی گناہوں کی معافی یا درجات کی بلندی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی اُمید رکھنی چاہئے۔ بعض لوگوں نے وسیلے اور شفاعت کا مفہوم غلط سمجھا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بے دردی سے پامال کرتے رہو۔ بس انبیاء اور اولیا کی سفارش سے سب کام درست ہو جائیں گے۔ مثلاً اہل اسلام میں سے بعض کے دلوں میں ابلیس نے یہ بات ڈال دی ہے کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ سے بے حد محبت ہے۔ اس لئے حُبِّ رسول کے بھروسے پر جو چاہو کرو تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ بے شک حُبِّ رسول ﷺ کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا مگر رسول اللہ فداہ ابی و امی سے سچی محبت تب ہی معتبر ہوگی جب کہ آپ کی حتی الامکان اتباع کی جائے۔ حقوق العباد میں مالی حقوق نہایت اہم ہیں اور ان میں مال وراثت کی ورثا میں صحیح تقسیم بھی شامل ہے۔ آیت الکرسی سے پہلے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اسے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس دن کوئی سودا نہ ہوگا، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کوئی سفارش فائدہ دے گی۔ (۴۰/ب) غور کیجئے یہاں خطاب کفار سے نہیں بل کہ خود مسلمانوں سے ہے۔ اس کے بعد آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش کر سکے۔ اگر کسی کے لئے خدانہ خواستہ اللہ تعالیٰ نے ہی سفارش کی اجازت نہ دی تو ہرگز رسول اکرم ﷺ اس کی سفارش نہیں فرمائیں گے۔ غور کیجئے کہ حقوق العباد کے معاملے میں جن بندوں کا حق ضائع کیا گیا ہے مثلاً چوری کی ہے، ڈاکہ ڈالا ہے، رشوت لی ہے، ناپ تول میں کمی بیشی کی ہے، دھوکہ دیا ہے، ناحق عہد شکنی کی ہے، کسی کو ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچائی ہے، وراثت میں بیٹیوں اور بہنوں کو محروم کیا ہے وغیرہ وغیرہ، تو کیا یہ مظلوم نظر انداز کر دیئے جائیں گے اور رسول اکرم ﷺ اور آپ کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگ بے دھڑک ظالموں کی سفارش شروع کر دیں گے اور مظلوموں کی سنی اَن سنی کر دیں گے؟ اسی طرح وسیلے کا مفہوم کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ حضرات انبیائے کرام اور

اولیائے عظام کا (معاذ اللہ) اللہ پر کوئی دباؤ ہے۔ وہ جو چاہیں اللہ سے منظور کرالیں یہ عقیدہ تو صریح شرک ہے۔ اور اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ کسی پیغمبر یا ولی کا حوالہ اور وسیلہ نہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول ہی نہیں کرتا اور اس کی رحمت جوش میں ہی نہیں آتی، یہ تصور شرک تو نہیں لیکن گناہ کبیرہ ہے۔ **ماقدروا اللہ حق قدرہ** یعنی ایسے لوگوں نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں جیسی کہ اُنہیں پہچاننی چاہئے تھی۔ یہ لوگ قطعاً بھول گئے کہ اصل رحمٰن و رحیم اللہ تعالیٰ ہے، وہی مسبب الاسباب ہے اور اسباب کو مؤثر بھی وہی بناتا ہے۔ اسی نے مثلاً رسول اللہ ﷺ کو رحمت للعالمین بنایا ہے، اسی نے والدین کو اولاد کے لئے، اچھے حاکم کو رعایا کے لئے، نیک استاد کو شاگرد کے لئے، اچھے رشتے داروں کو اپنے اقارب کے لئے، اچھے دوست کو اپنے دوست کے لئے، لاتعداد نعمتوں کو انسانوں اور دیگر مخلوقات کے لئے رحمت بنایا ہے۔ وسیلے کے غلط تصور سے لوگوں کو یوں اللہ تعالیٰ نے بچانے کا اہتمام فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں مذکور ادعیہ و اذکار میں کسی وسیلے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں۔ سب دعاؤں میں کسی کا وسیلہ دیئے بغیر ہی اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا ہے۔ دین میں توسل (وسیلہ اختیار کرنے) کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی شخص محض اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کو معلوم نہیں کرسکتا ورنہ دنیا میں مختلف مذاہب نہ ہوتے اور نہ ہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت ہوتی۔ صراط مستقیم کو پانے اور اس پر چلنے کے لئے ہر شخص کو اللہ کے رسول اور رسول کے سچے ورثا یعنی اہل حق علماء اور اولیاء سے رہنمائی لینا ہوگی۔ چوں کہ یہ حضرات ذریعہ بن گئے اس لئے وہ وسیلہ ہوگئے۔ جو شخص ان کے ذریعہ صراط مستقیم کو معلوم کرے گا اور اس پر چلے گا تو اس کا ایمان اور اس کے اعمال صالحہ اس کے لئے نجات کا ذریعہ بن گئے چناں چہ سورۂ مائدہ میں ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈراو اور اس کی طرف وسیلہ (یعنی اعمال صالحہ کے ذریعہ قرب) تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔'' (۳۵/ ج) اور سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ ''اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ جن کو تم اس (اللہ) کے سوا (اپنا کارساز اور معبود) سمجھ رہے ہو، اُنہیں پکار دیکھو، وہ نہ تو تمہاری تکلیف کو دور کرسکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ (اعمال صالحہ کے ذریعے قرب) ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون (اللہ کے) زیادہ قریب ہوجائے، وہ خود اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔'' (۴۱/ الف) صاف ظاہر ہے کہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلے کے لئے دین میں یہ توسل (وسیلہ اور ذریعہ اختیار کرنا) تو ہر کسی کے لئے ناگزیر ہے۔ چوں کہ صحیح ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا یقینی ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا میں توسل کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے نیک اعمال

کا حوالہ دے کر دعا مانگے۔ چناں چہ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ تین اشخاص ایک غار میں داخل ہوئے۔ بارش کی وجہ سے ایک چٹانی پتھر نے غار کا منہ بند کر دیا۔ ان تینوں نے باری باری اپنے اپنے بعض نیک اعمال کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو پتھر ہٹتا چلا گیا اور وہ غار سے صحیح سالم باہر نکل آئے۔ (۴۱/ب)

انبیاء، علما، صلحا و اولیا سے عقیدت و محبت، زبان سے اس کا اظہار اور اعمال صالحہ میں ان کی اتباع بھی اعمال صالحہ ہی میں شامل ہے اس لئے دعا میں توسل کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے کہ پیغمبر ﷺ، صحابہ کرام (یا کسی خاص صحابی)، اولیائے عظام (یا کسی خاص ولی) وغیرہ سے جو مجھے محبت اور عقیدت ہے یا ان کا جو مقام و مرتبہ تیرے ہاں ہے یا ان کی جو دینی خدمات وغیرہ ہیں ان کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری مشکل حل فرما۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں اس طرح کی دعائیں وسیلہ اور واسطے جیسے کلمات کے استعمال سے احتراز کرے اور ان کی بہ جائے ان کے ہم معنی یا اسی مفہوم کے دوسرے کلمات یا جملے استعمال کرے تاکہ ان لوگوں سے تشبہ نہ ہو جو مخلوق میں خدائی صفات ثابت کرتے ہیں اور جنہوں نے ان پاکیزہ کلمات کو نہایت غلط اور مشرکانہ معانی پہنا رکھے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتے اور کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی ہوتی تو وہ رسول اللہ ﷺ سے لفظ ''راعنا'' (ہماری رعایت فرمائیے) کے ذریعہ درخواست کرتے کہ ہمیں دوبارہ سمجھا دیا جائے یا بات کو دوبارہ دہرا دیا جائے۔ یہودی یہی کلمہ بدنیتی سے معنی میں بگاڑ پیدا کر کے کہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو راعنا کہنے سے منع فرمایا اور اس کی بہ جائے انظرنا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے) کہنے کا حکم صادر فرمایا۔ (۴۱/ج) اس لئے وسیلے کا لفظ استعمال کرنے کی بہ جائے یوں کہا جائے کہ مجھے پیغمبر ﷺ اور فلاں صحابی اور فلاں عالم اور فلاں ولی سے جو محبت و عقیدت ہے اور ان کا تیرے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے، اس کی برکت سے میری دعا قبول فرمائیے۔ دعا میں توسل کی ایک صورت رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے حق میں آپ سے دعا کی درخواست کرتے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعا فرماتے تھے پس نیک لوگوں سے دعا کرانا بہتر اور مستحب ہے۔ ان کی دعاؤں میں زیادہ برکت ہے۔ دعا میں توسل کی ایک صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرے اور آپ سے درخواست کرے کہ میرے حق میں یا لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط سالی کے ایام میں حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ نے آپ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمت کیلئے بارش کی دعا فرمائیے، کیوں کہ لوگ

ہلاک ہو گئے۔ خواب میں اُنہیں آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر اُنہیں سلام کہو اور اُنہیں یہ خبر دو کہ ان پر بارش نازل کی جائے گی، میں تو تمہیں دانا سمجھتا تھا، تمہیں کیا ہوا؟ (کہ تم نے مسنون نماز استسقا کا اہتمام نہیں کیا) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے۔ آپ نے نماز استسقا کے لئے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ ان کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بات سنائی تو اُنہوں نے کہا کہ بلال بن الحارث نے سچ کہا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۴۲/ الف) حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن ابی شیبہؒ نے اس روایت کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (۴۲/ ب) ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ میں اسے اواخر ۱۷ ہجری اور اوائل ۱۸ ہجری کا جب کہ ابن خلدونؒ نے اسے ۱۸ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ (۴۲/ ج) پس توسل کی یہ صورت بھی بلاشبہ مباح ہے، گو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس کا عام رواج نہیں تھا۔ دعا میں توسل کی ایک صورت یہ ہے کہ اس طرح کی درخواست کسی بزرگ کی قبر پر جا کر کرے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو یہ ناپسندیدہ ہونے کے باوجود شرک نہیں کیوں کہ سماع موتی (مردوں کے سننے) کا مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہی امت میں اختلافی چلا آرہا ہے۔ اس لئے یہ اجتہادی مسئلہ ہے، توحید و شرک اور سنت و بدعت کا مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم یہ طریقہ ناپسندیدہ اس لئے ہے کہ اولاً سماع موتی کا مسئلہ اختلافی ہے، جو عدم سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک دعا کرانے کا یہ طریقہ عبث اور لغو ہے۔ ثانیاً اس میں ان لوگوں سے تشبہ پایا جاتا ہے جو مخلوق میں خدائی صفات کے قائل ہیں۔ ثالثاً صحابہ کرام میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا۔ دعا میں توسل کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی بھی زندہ یا فوت شدہ کو عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کل اور مافوق الاسباب امور میں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اسے پکارا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لازماً ہر بات منوا سکتے ہیں، خواہ دور سے اسے پکارا جائے یا قبر پر جا کر پکارا جائے۔ ہر حال میں یہ طریقہ شرک ہے۔ اسی شرک کے خلاف لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے دعا میں توسل کی مذکورہ بالا بذات خود بعض جائز صورتوں کو بھی بعض محتاط اہل علم اس پرفتن دور میں خارجی اسباب اور بیرونی عوارض کی بناء پر ناجائز قرار دیتے ہیں۔ دعا کی مناسب ترین صورت یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مذکور ادعیہ و اذکار کو بہ ہر حال ترجیح دی جائے۔ دعا اور ذکر کے شروع اور آخر میں رسول اللہ ﷺ فداہ ابی و امی پر درود شریف کو ضرور شامل کیا جائے۔ صحیح ترین احادیث کے مطابق آپ ﷺ تک درود پہنچ جاتا ہے اور آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ایک محب رسول ﷺ کے لئے اور کیا وسیلہ ہو سکتا ہے؟ فتدبر و لا تکن من الغافلین

مردے سنتے ہیں یا نہیں، اس بحث میں پڑے بغیر اگر مان لیا جائے کہ مردے سنتے ہیں تو بھی سننا

اور بات ہے اور سننے والے کو سنانا اور بات ہے۔ مردے عالم برزخ میں ہماری بات سن لیتے ہیں تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ وہ ہماری حاجتوں کو پورا کرنے اور ہماری مشکلات کو دور کرنے پر بھی قادر ہیں؟ وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اُنہیں غسل دوسروں نے دیا، کفن دوسروں نے پہنایا، قبر میں تدفین دوسروں نے کی۔ وہ تو اس دنیا میں اپنے کفن دفن پر بھی قادر نہ تھے تو دنیا کے دوسرے کاموں پر کیسے قادر اور متصرف ہوگئے؟ ان کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو وہ بہ ہر حال اللہ کے بندے ہیں۔ اولیا اور صلحا کا احترام نہایت ضروری ہے۔ اہل حق سے عداوت دراصل اللہ سے عداوت ہے۔ ان میں سے جو شہدا کے مرتبے پر فائز ہیں ان کی برزخی زندگی اتنی اعلیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مردہ کہنے سے ہمیں روکا ہے مگر وہ اللہ کے بندے ہیں۔ خدائی اختیارات کے مالک نہیں ہیں۔ یہ حضرات ہماری دینی رہ نمائی کا ذریعہ بن گئے اس معنی میں وہ وسیلہ بن گئے۔ یہ درمیانی وسیلے معبود نہیں بل کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسے مظاہر فطرت مثلاً سورج، چاند، وغیرہ ہمیں اللہ کے حکم سے فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن اس آڑ میں شرک کی گنجائش نہیں نکلتی کہ چوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے جمال وجلال کے مظاہر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظاہر ہیں وغیرہ لہٰذا ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ عبادت صرف اللہ کی ہوگی جس نے یہ وسائل اور ذرائع ہمارے دینی اور دنیوی نفع کے لئے پیدا فرمائے اور ہمیں مہیا فرمائے ہیں۔

۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف قول منسوب ہے کہ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے۔ ایسے اقوال بے سند ہیں۔ یہ قول درست بھی ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ مافوق الاسباب (غیر اختیاری) امور میں امام موسیٰ کاظمؒ دعا قبول فرماتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے (معاذ اللہ) جبراً قبول کرا سکتے ہیں، ورنہ وہ (معاذ اللہ) اپنی مخلوق میں سے کسی کا پابند نہیں ہے۔ اسی طرح کا ایک اور قول امام شافعیؒ کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے **من یستمد فی حیاته یستمد بعد وفاته** کہ جس سے اس کی زندگی میں مدد طلب کی جائے اس کی وفات کے بعد بھی اس سے مدد طلب کی جائے۔ اگر اس قول کی ان کی طرف نسبت صحیح ہے تو مطلب یہ لیا جائے گا کہ چن اختیاری امور میں کسی عالم یا بزرگ سے دنیا میں مدد لی جاسکتی ہے تو ایسے عالم اور بزرگ کی وفات کے بعد بھی ماتحت الاسباب یعنی اختیاری امور میں ان سے مدد لی جاسکتی ہے کہ مثلاً اس نے کوئی کتاب لکھی ہو یا کوئی علمی یادگار وغیرہ چھوڑی ہو یا اس کے شاگرد اہل علم موجود ہوں تو ان سے استفادہ ایک حیثیت سے فوت ہونے والے عالم اور بزرگ سے ہی استفادہ سمجھا جائے گا ورنہ مافوق الاسباب امور میں کوئی کسی کے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے قُل لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاءَ اللّٰہُ (۴۳/الف)'' (اے پیغمبر!)

تو کہہ دے کہ میں اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔'' یعنی مشیت میری نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی چلتی ہے ورنہ آپ ابولہب وغیرہ قریبی اعزہ کو ضرور ہدایت پر لے آتے۔ سورۂ جن میں ہے قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (۴۳/ ب) ''(اے پیغمبر!'' تو کہہ دے کہ میں تمہارے لئے کسی نقصان اور نہ ہی کسی فائدہ کا مالک ہوں۔'' مخلوقات میں رسول اللہ ﷺ سے ہرگز کوئی بڑا نہیں ہے۔ جب خود آپ ﷺ کا یہ حال ہے تو غیر اختیاری (مافوق الاسباب) امور میں دوسرے لوگ اپنے یا کسی اور کے لئے نفع ونقصان کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے بہت سے بزرگوں کی طرف لوگوں نے بالکل ایسی ہی بے سند اور غلط باتیں منسوب کر رکھی ہیں، جیسے یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی طرف جھوٹی اور غلط باتیں منسوب کر رکھی ہیں۔

۴۔ اگر حروف ندا ''یا ایھا وغیرہ'' سے کسی کو اس نیت سے پکارا جائے کہ جسے پکارا گیا ہے یعنی منادیٰ عالم الغیب، حاضر وناظر، مختار کل اور مافوق الاسباب (غیر اختیاری) امور میں متصرف ہے، دور ونزدیک سے ہر کسی کی سن لیتا ہے، یوں وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہے تو یہ کھلا مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بدقسمت شخص کو گم راہ ترین قرار دیا ہے۔ ومن اضل ممن یدعوا من دوان اللہ (۴۳/ ج) ''اور اس شخص سے زیادہ گم راہ کون ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارے'' اگر عقیدے کی مذکورہ خرابی نہیں اور کسی کو ماتحت الاسباب (اختیاری) امور میں حروف ندا سے پکارا جائے یا منادیٰ کو سنانا مقصود ہی نہ ہو جیسے شعر وشاعری میں اکثر وبیشتر محض تخیلاتی ندا ہوتی ہے، یا اس نیت سے پکارنا کہ اللہ تعالیٰ منادیٰ بعید تک ندا پہنچا دے گا یا منادیٰ کو سنانا مقصود ہی نہیں محض اظہار محبت وعقیدت یا غلبہ اشتیاق سے کسی کو پکارا جائے تو اس طرح کی صورتیں شرک میں داخل نہیں ہیں۔ اما الاستمداد باھل القبور جیسی عبارتوں کا مطلب بھی یہی لیا جائے گا کہ جس بزرگ کی قبر پر کوئی جائے تو جائز طریقے سے اس بزرگ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے جیسا کہ اوپر نمبر شمار ۲ میں توسل کی متنوع صورتوں کو واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں ایک مرتبہ سو گیا تو کسی نے کہا اذکر احب الناس الیك فقال یا محمداہ (۴۴/ الف) یعنی اپنی محبوب ترین ہستی کو یاد کیجئے تو آپ نے یا محمداہ کہا۔ یہاں لفظ ''ادع'' بہ معنی پکارنہیں بل کہ ''اذکر'' بہ معنی ''یاد کر'' ہے اس سے غائبانہ پکار پر استدلال درست نہیں۔ اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عقیدہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب اور حاضر وناظر ہیں تو پاؤں کا سو جانا تو معمولی سی بات ہے۔ اس سے کہیں زیادہ سنگین اور پریشان کن مواقع پر آپ ضرور بالضرور رسول اللہ ﷺ کو پکارا کرتے۔ مثلاً غزوۂ فتح مکہ کے بعد سریہ بنی جذیمہ

میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر لشکر تھے۔ بنو جذیمہ نے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کی بہ جائے صبأنا (ہم نے دین بدلا) کہنا شروع کر دیا جس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اُنہیں گرفتار اور قتل کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک قیدی اپنے ہر ہر ساتھی کے حوالے کیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ اُنہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ناروا حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا لیکن باقی لوگوں نے اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ واپسی پر جب رسول اکرم ﷺ کو حالات سے مطلع کیا گیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دو مرتبہ فرمایا۔ ''اے اللہ! خالد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف برأت اختیار کرتا ہوں۔'' (۴۴/ب) آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر مقتولین کی دیت اور ان کے تمام نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ''یا محمداہ'' کہہ کر رسول اکرم ﷺ کو کیوں نہ متوجہ فرمایا اور کیوں نہ آپ سے ہدایات حاصل کر لیں؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نہاوند کے مقام پر دشمن سے برسر پیکار تھے۔ دشمن نے پیچھے سے حملے کی کوشش کی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے ممبر پر تھے آپؓ نے پکار کر کہا: یا ساریة الجبل الجبل ''یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف توجہ دو اور دشمن سے بچو۔'' اگر اس سے غائبانہ پکار کے جواز پر استدلال کیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سریہ بنی جذیمہ کے معاملے میں رسول اکرم ﷺ نے غائبانہ پکار سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ روکا کہ بنو جذیمہ کو قتل نہ کرو؟ غزوۂ احد کے موقع پر جن پچاس تیر اندازوں کو آپ ﷺ نے درے پر مقرر فرمایا تھا تو اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو جب یہ لوگ بعد میں یہ سمجھ کر کہ دشمن مغلوب ہو گیا ہے اور جنگ ختم ہو چکی ہے، درہ چھوڑ رہے تھے تو آپ ﷺ نے دور سے ہی یہ ندا کیوں نہ لگائی کہ درہ ہرگز نہ چھوڑنا اور کیوں ستر کے قریب شہدائے احد کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور کیوں اپنے آپ ﷺ کو بھی زخمی کرایا؟ غزوۂ مریسیع میں جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لشکر سے پیچھے رہ گئی تھیں تو آپ ﷺ نے کیوں نہ غائبانہ پکار سے اُنہیں تسلی دی؟ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو حاضر و ناظر سمجھتی تھیں تو کیوں نہ اُنہوں نے آپ ﷺ کو غائبانہ پکار کر مدد حاصل کی؟ سریہ بئر معونہ اور سریہ رجیع میں شامل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غائبانہ پکار لگاتے ہوئے ''یا محمداہ'' کیوں نہ کہا اور کیوں نہ آپ ﷺ کو حالات سے مطلع کیا۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ ہی سے یہ دعا کیوں کی کہ اے اللہ! ہمارے حال سے ہمارے نبی کو باخبر کر دے؟ وغیرہ وغیرہ۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو غائبانہ پکارنا بہ طور کرامت تھا کہ اللہ

تعالیٰ نے نہاوند کی جنگ کا نقشہ آپؓ کی آنکھوں کے سامنے کر دیا اور آپؓ کی آواز کو حضرت ساریہؓ تک پہنچا دیا۔ معجزہ اور کرامت کا ظہور کبھی کبھار ہوتا ہے۔ معجزہ اور کرامت غیر اختیاری ہوتے ہیں ہر وقت اپنی مرضی سے کسی پیغمبر سے معجزے کا یا کسی ولی سے کرامت کا ظہور نہیں ہوا کرتا ورنہ حضرت عمرؓ اگر حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو اُنہیں اپنے قاتل ابولولو مجوسی کے خبیث عزائم کا مکمل پیشگی علم ہوتا اور آپؓ اپنی اور درجن بھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جانوں کو بھی بچا لیتے۔ آپؓ کی شہادت کا یہ واقعہ تو جنگ نہاوند سے بعد کا ہے۔ پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پاؤں کے سونے پر اپنی محبوب ترین ہستی کو محض یاد کیا ہے، غائبانہ پکارا نہیں ہے ورنہ وہ ''یا محمداہ'' کی بجائے ''یا رسول اللہ'' وغیرہ کے کلمات سے ندا لگاتے۔ آپ ﷺ کو بغیر کسی معقول وجہ یا مجبوری کے ''یا محمد، یا محمداہ'' سے پکارنا تو خلاف ادب ہے۔ کوئی خبر واحد بہ لحاظ سند صحیح بھی ہو تو اس سے عقائد ثابت نہیں ہوتے۔ اگر خبر واحد کا مضمون کتاب اللہ سے معارض نظر آتا ہو تو اسے کتاب اللہ کے تابع کیا جائے گا۔ تطبیق ممکن نہ ہو یا فریق مخالف ضد اور تعصب کی بناء پر معقول تطبیق کو بھی قبول نہ کرے تو صرف کتاب اللہ ہی کو لیا جائے گا اور خبر واحد متروک ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی روایت ہے، مرفوع نہیں پھر باعتبار سند یہ ضعیف بھی ہے۔ اس کی سند میں ابوشعبہ راوی کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ متروک ہے۔ (۴۴/ ج) اس روایت کی دوسری سند میں محمد بن مصعب راوی کو امام نسائیؒ اور امام ابو حاتمؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام حاکمؒ اور ابن حبانؒ بھی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ خطیبؒ کہتے ہیں کہ یہ بہ کثرت غلطیاں کرتا تھا۔ (۴۵/ الف) تیسری سند میں زہیر بن معاویہ عن ابی اسحاق ہے۔ محدثین کی تصریح کے مطابق زہیر کی جو روایت ابو اسحاق سے ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ (۴۵/ ب) اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعلق ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنا پاؤں سو جانے پر ''یا محمداہ'' کہا تھا۔ اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے جسے امام احمدؒ نے متروک اور امام یحییٰ نے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ بھی اسے متروک قرار دیتے ہیں۔ جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ یہ جعلی احادیث بنایا کرتا تھا۔ (۴۵/ ج) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہارا سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اسے یہ کہنا چاہئے یا عباداللہ اعینونی (وفی روایۃ) یا عباداللہ احبسوا فان اللہ فی الارض حاضرا۔ (۴۵/ د) ''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو اور ایک روایت کے مطابق ہے کہ اے اللہ کے بندو! اسے روکو کیوں کہ وہاں اللہ کی طرف سے کچھ لوگ ایسے حاضر ہوتے ہیں جو اسے روک لیں گے۔'' اس روایت سے مافوق الاسباب (غیر اختیاری) امور میں مخلوق کو

غائبانہ پکار کی قطعاً کوئی سند نہیں ملتی کیوں کہ بہ مطابق روایت وہاں کچھ لوگ یعنی ملائکہ موجود ہوتے ہیں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں، جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو یہ کہا کرو اعینوا یا عباداللہ یعنی اے اللہ کے بندو! مدد کرو۔'' (۴۶/ الف) تاہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں معروف بن حسان ہے۔ علامہ ہیثمیؒ اسے ضعیف، ابن عدی اسے منکر الحدیث اور امام ابو حاتم اسے مجہول قرار دیتے ہیں۔ (۴۶/ ب) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک قول منسوب ہے کہ اگر جنگل میں کسی درندے شیر وغیرہ کا خوف ہو تو اعوذ بدانیال علیہ السلام (میں دانیال علیہ السلام کی پناہ چاہتا ہوں) کہا کرو۔ (۴۶/ ج) یہ حدیث موقوف ہے اور ساتھ ہی ضعیف بھی ہے۔ اس کے راویوں ابراہیم بن منذر، عبدالعزیز بن عمران، ابن ابی حبیبہ ابراہیم بن اسماعیل، داؤد بن حصین پر کتب رجال میں سخت جرح موجود ہے ان سب کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (۴۷/ الف)

یہ روایت سابقہ مباحث میں پیش کی جا چکی ہے کہ دور فاروقی میں حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ نے قحط سالی میں رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے۔ اس سے غائبانہ پکار پر استدلال باطل ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر آپ ﷺ کو پکارا تھا۔ معراج کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار کی مراجعت سے پچاس نمازوں میں تخفیف کرائی جس سے صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ اس سے نہ تو غائبانہ پکار کا کوئی جواز حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی الاسباب مافوق امور میں مخلوق سے استعانت اس سے ثابت ہوتی ہے۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب درمختار (باب اللقطہ) میں ہے کہ گم شدہ چیز کے لئے کسی اونچی جگہ پر قبلہ رخ ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ اور سیدی احمد بن حلوانؒ کو بخشا جائے۔ پھر یہ کہا جائے ان لم تُرَدْ علیّ ضالتی کہ اگر مجھ پر میری گم شدہ چیز نہ لوٹائی گئی تو میں آپ کو دفتر اولیا سے نکال دوں گا۔'' ''فان اللہ یرد ضالتہ ببرکتہ'' تو اللہ تعالیٰ اس (احمد بن حلوانؒ) کی برکت سے وہ چیز اس کو لوٹا دے گا۔ اس کی حیثیت محض ایک جھاڑ پھونک کی ہے اور یہ عمل مضحکہ خیز بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیا کو ولایت سے نکال باہر کرنے کا اختیار (معاذ اللہ) زید، عمرو اور بکر وغیرہ ہر کسی کو حاصل ہے۔ پھر یہاں عربی عبارت ان لم تُرَدْ علیّ میں ''تُرَدَّا'' بصیغہ مجہول ہے، ''تَرُدَّا'' بصیغہ معروف نہیں کہ یہ ترجمہ کیا جائے کہ ''اے احمد بن حلوان! اگر تو نے مجھ پر میری گم شدہ چیز نہ لوٹائی۔'' اس کا قرینہ یہ ہے کہ عبارت کے آخر میں یہ مضمون

ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ چیز واپس لوٹائے گا۔

محدثین حضرات کی کتب حدیث میں اگر صحیح کے ساتھ ضعیف، منکر اور بعض اوقات موضوع احادیث بھی موجود ہوتی ہیں تو فقہا کی فقہی کتب میں بھی مذکورہ طرز کی غیر مستند باتیں ہوسکتی ہیں اس سے کتاب کی مجموعی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ بزرگوں کے وہ اقوال جو قرآنی محکمات کے بہ ظاہر خلاف ہوں تو ان کی معقول تاویل کی جائے گی۔ اگر معقول تاویل نہ ہوسکے یا فریق مخالف ضد اور تعصب کی بنا پر اسے قبول نہ کرے تو کتاب وسنت کی محکمات اور قطعیات کے مقابلے میں ان اقوال کو دیوار پر دے مارنا ہوگا۔ جب نہایت قطعیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت حرام ہے، کھلا شرک ہے تو کم زور بل کہ مضحکہ خیز سہاروں سے حقائق ثابتہ کو جھٹلانا اپنے آپ کو اور دوسروں کو فریب دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

پانچواں حصہ بہ حوالہ شرک کے عوامل ومحرکات اور اس کے عملی مظاہر

الف: عوامل شرک

۱۔ مخلوق کے لئے غیب کلی کے علم کا قائل ہونا ۲۔ مخلوق کو مختار کل قرار دینا ۳۔ مافوق الاسباب امور میں مخلوق کو متصرف اور مختار سمجھنا ۴۔ مخلوق کو حاضر وناظر سمجھنا ۵۔ وسیلے اور شفاعت کے صحیح مفہوم میں تحریف ۶۔ سماع موتی کا غلط مفہوم ۷۔ مظاہر فطرت کی غلط تشریح وتوجیہ اور ان ہیں مظہر جمال الٰہی، جلال الٰہی، تخلیق الٰہی وعون الٰہی وغیرہ ٹھہرا کر انہیں معبود سمجھ لینا ۸۔ تواضع اور انکسار کو غلط مفہوم پہناتے ہوئے یہ سمجھ لینا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تواضعاً لوگوں سے کہتے کچھ تھے لیکن حقیقت کچھ اور ہوا کرتی تھی ۹۔ رضا بالقضاء کو غلط معنی پہناتے ہوئے یہ سمجھ لینا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام، علماء وصلحا، اولیائے کرام بااختیار خود اپنے آپ کو یا دوسرے کو اپنی مرضی اور خواہش سے شدید خطرات سے دوچار کیا کرتے تھے، مثلاً یہ سمجھنا کہ رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں کے عزائم اور ناپاک منصوبوں کا پورا پورا علم تھا پھر بھی آپ ﷺ نے سریہ رجیع اور سریہ بیئر معونہ میں اپنے اصحاب کو دشمنوں کے حوالے کر دیا کہ وہ انہیں شہید کر ڈالیں، کیوں کہ شہادت ان کے لئے مقدمہ تھی وغیرہ۔ اس طرح کے تمام عوامل شرک کو ہم گزشتہ مباحث میں تفصیلاً متعدد عنوانات کے تحت یا ان کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

۱۰۔ اسی وفعلی اشتراک سے دھوکہ: اس کی وضاحت ایجاز القرآن کے عنوان کے تحت سورۂ فاتحہ کے مضامین کی بحث میں دوسرے شبہے کے جواب میں کی گئی ہے۔ (۴۷/ب) نیز برہان القرآن کے ذیلی

عنوان ''بحث اختیار کلی تشقیق جدلی کی روشنی میں'' کے تحت نمبر شمار ۱۶ میں بہ حوالہ اسناد مجازی بھی اس کی بھرپور وضاحت کی جا چکی ہے۔ (۴۷/ ج) یہاں یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے حسنیٰ مثلاً سمیع وبصیر، علیم وحکیم، رحیم وحلیم وغیرہ کا لسانی محاورات میں مخلوق پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مثلاً سورۂ دہر میں فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع وبصیر (سننے والا اور دیکھنے والا) بنایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی صفات میں نمایاں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی شان اور مرتبے کے مطابق ہیں اور مخلوق کی صفات مخلوق کے احوال کے مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی اور غیر مخلوق ہیں، جب کہ مخلوق اور اس کی عطائی صفات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ چناں چہ سمیع وبصیر کی مثال میں انسانوں کی سماعت وبصارت کانوں اور آنکھوں کی محتاج ہے، اللہ کی دی ہوئی یعنی عطائی ہے، محدود ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی سماعت وبصارت مخلوق کی طرح کانوں اور آنکھوں کی محتاج نہیں، لامحدود ومستقل اور ذاتی ہے۔ ابصر بہ و اسمع (۴۷/ د) یعنی اس کا دیکھنا اور سننا کیسا ہی عمدہ دیکھنا اور کیسا ہی عمدہ سننا ہے۔'' اس اسی مشارکت کی وجہ سے شرک کی کوئی گنجائش نہیں ورنہ ہر سننے اور دیکھنے والے شخص کو خواہ وہ کافر اور فاسق وفاجر ہی ہو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خدائی صفات کا حامل اور خدا قرار دینا ہوگا۔ اور مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نام ''قابض'' یعنی جان قبض کرنے والا، روزی وغیرہ میں تنگی کرنے والا ہے۔ طبی اصطلاح میں اسہال اور دستوں کو بند کرنے والی ادویہ کو بھی قابض کہا جاتا ہے۔ اگر اسی اشتراک سے شرک کی گنجائش ہو تو ان قابض ادویہ کو بھی (معاذ اللہ) معبود بنالینا چاہئے اور انہیں نہ صرف قبض کشا بل کہ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں پکارنا چاہئے۔ اسی طرح لسانی محاورات میں بہ طور اسناد مجازی کسی فعل کی نسبت سبب قریب کی طرف کردی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ موسم بہار نے سبزہ اُگایا حال آں کہ نباتات کو اُگانے والا اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ سورہ بقرۃ میں ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کرنے کی مثال ایک دانے کی مانند ہے جو سات سٹے اُگائے اور ہر سٹے میں سو دانے ہوں۔ (۴۸/ الف) دیکھئے یہاں لسانی محاورات کے مطابق بہ طور اسناد مجازی اُگانے کی نسبت دانے کی طرف کی گئی ہے، حال آں کہ دانے کو اللہ اُگاتا ہے مثلاً سورۂ عبس میں ہے۔ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (۴۸/ ب) ''تو ہم نے اس (زمین) میں دانہ اُگایا۔'' اسی اشتراک کی طرح اگر فعلی اشتراک سے کسی کے لئے شرک کی گنجائش ہو تو اناج کے کسی دانے کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اسے پکارنا چاہئے۔ کوئی بھی عقل مند اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔

۱۱۔ محبت واحترام اور اطاعت واتباع میں غلو: کبھی غیر اللہ کی اطاعت، محبت اور احترام میں اس قدر

غلو اور مبالغہ کیا جاتا ہے کہ یہ عبادت کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ عبادت میں اطاعت بھی شامل ہے، بہ شرطے کہ معبود محل اطاعت ہو۔ اطاعت اوامر و نواہی میں ہوتی ہے، مشرکین کے بعض معبود مثلاً سورج، چاند، ستارے، شجر و حجر وغیرہ محل اطاعت اس لئے نہیں ہوتے کہ وہ کسی کو کوئی حکم جاری نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی کام سے منع کر سکتے ہیں۔ الغرض عبادت میں اطاعت شامل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم جس کی اطاعت کریں وہ لازماً معبود بھی ہو۔ ہم مثلاً والدین اور اساتذہ کی اطاعت کرتے ہیں لیکن ان کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی طرح عبادت میں محبت بھی شامل ہے۔ ہم جس کی عبادت کریں گے لازماً ہمیں اس سے محبت بھی ہوگی۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے۔ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۴۸/ ج) ''اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان ہیں اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔'' اسی طرح عبادت میں احترام بھی شامل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس کا ہم احترام کریں وہ ہمارا معبود بھی ہو مثلاً ہم والدین اور اساتذہ کی اطاعت کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں، بڑوں اور چھوٹوں سے محبت کرتے ہیں لیکن ہم ان میں سے کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پس عبادت خاص ہے، اطاعت، محبت اور احترام عام ہیں۔ ان میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مؤذن اس لئے بیٹھ کر اذان کہے کہ اس کے استاد یا پیر و مرشد نے اسے کھڑا ہونے سے منع کیا ہے، اس طرح کی اطاعت شرک ہے۔ بعض سابقہ شرائع میں غیر اللہ یعنی مخلوق کے لئے عزت و احترام کا سجدہ جائز تھا لیکن شریعت محمدیہ علی وصاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کسی کے لئے سجدۂ تعظیم جائز نہیں ہے۔ جہاں تک سجدۂ عبادت کا تعلق ہے تو عبادت کا سجدہ کسی بھی زمانے میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کرنا ہرگز جائز نہیں رہا۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کو سجدہ عبادت کرنا شرک ہے جبکہ سجدۂ تعظیم کرنا شریعت محمدیہ ﷺ میں گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (۴۸/ د) ایک روایت کے مطابق ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر (اللہ کو) سجدہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے یہ خواب آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ لیٹ گئے کہ تم اپنا خواب پورا کر لو اور انہوں نے آپ ﷺ کی پیشانی پر (اللہ تعالیٰ کو) سجدہ کر لیا۔ (۴۹/ الف) اس سے مخلوق کو سجدہ کرنے کا جواز ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ یہ سجدہ اللہ ہی کے لئے تھا۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک زمین اور جائے نماز کی طرح محض سجدہ گاہ تھی۔ بعض روایات کے مطابق بعض مواقع پر درختوں اور جانوروں نے رسول اللہ ﷺ کو (تعظیمی) سجدہ کیا اس سے بھی کسی کو غیر اللہ

یعنی مخلوق کے لئے سجدہ کرنے کا جواز فراہم نہیں ہوتا۔ جن وانس شریعت کے مکلف اور پابند ہیں۔ دیگر حیوانات ونباتات پابند شریعت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مخلوق کے لئے ہر طرح کے سجدے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عزت واحترام کا سجدہ کیا تھا۔ یہ عبادت کا سجدہ نہیں تھا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ مخلوق کو عزت واحترام کا سجدہ بعض گزشتہ شرائع میں درست تھا لیکن خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں درست نہیں۔ غیر اللہ کے لئے عبادت کا سجدہ بل کہ کسی بھی طرح کی عبادت شرک ہے۔ چناں چہ خانہ کعبہ کا طواف بھی عبادت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف نماز ہی کی طرح ہے مگر یہ کہ اس (طواف کی حالت) میں تم باہم کلام کر سکتے ہو تو کوئی شخص اچھی بات کے علاوہ کوئی اور کلام نہ کرے۔ (۴۹/ب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ کعبہ اور صفا ومروہ کے درمیان طواف اور رمی جمار کو اللہ کے ذکر کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ (۴۹/ج) اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر اللہ کے لئے نذر ماننا اور قربانی کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا بھی شرک ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مانی تھی۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ ''جب عمران کی بیوی (مریم کی والدہ) نے کہا، اے میرے رب، میرے پیٹ میں جو (بچہ ہے) اسے میں نے تیرے نام پر آزاد کرنے کی تیری نذر مانی ہے (یعنی یہ بچہ صرف عبادت گاہ کا خادم ہوگا اس سے دنیا کا اور کوئی کام میں نہیں لوں گی) سو تو مجھ سے (یہ نذر) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' (۵۰/الف) پس نذر عبادت ہے لیکن نذر مان کر خواہ مخواہ ایک کام کو اپنے ذمے واجب کر لینا شریعت محمد یہ ﷺ میں ناپسندیدہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ نذر ابن آدم کی تقدیر کو بدل نہیں سکتی، ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ (حسن اتفاق سے) تقدیر کی نذر سے موافقت ہو جاتی ہے یوں بخیل کے مال سے کچھ مال اس طریقے سے نکل آتا ہے۔ (۵۰/ب) مشرکین غیر اللہ کو رکوع وسجود، غیر اللہ کے لئے صدقہ وخیرات، نذر ماننا، بزرگوں کے مزاروں اور قبروں کا طواف، بزرگوں کے لئے قربانی وغیرہ عبادات کو محبت واحترام اور ایصال ثواب کی آڑ میں کرتے ہیں۔ اپنے نیک کاموں اور نفلی عبادات کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اس کا فائدہ فلاں کو بھی پہنچا دے۔ ایصال ثواب کہلاتا ہے جس کی حیثیت محض دعا کی ہے۔ خلاف شریعت کام اور ایسے کام جن میں کسی بدعت اور گناہ کی آمیزش ہو، سرے سے عنداللہ مقبول ہی نہیں اس لئے ایسے کاموں کو ایصال ثواب کا ذریعہ سمجھنا محض فریب نفس ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک ہر نفلی عبادت کا ثواب زندہ یا فوت شدہ کسی بھی مسلمان کو بخشنا صحیح

ہے۔ مثلاً دعا و استغفار، درود شریف، ذکر و تسبیح، تلاوت قرآن، نفلی نماز، روزہ، حج، قربانی اور صدقہ و خیرات وغیرہ کا ثواب اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ دوسروں کو بخشنا جائز ہے۔ جو چیز صدقہ اور خیرات میں کسی کو دی جائے تو جس زندہ یا فوت شدہ مسلمان کو اس کا ثواب بخشا جائے وہ چیز زندہ یا فوت شدہ انسان تک نہیں پہنچتی بل کہ اللہ چاہے تو اس کا اجر و ثواب اسے پہنچتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ فداہ ابی و امی اپنی امت کے لئے بہ کثرت دعا فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سورۂ ابراہیم کی آیت) رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا والی آیت ان تعذبهم فانهم عبادك الخ تلاوت فرمائی (پہلی آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ایک حصہ ہے اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گم راہ کیا ہے تو جو شخص میری پیروی کرے تو بے شک وہ میرا ہے اور جو نافرمانی کرے تو تو بہت ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ سورۂ مائدہ کی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''(اے اللہ!) اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو تیرے یہ بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو بڑا ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے)'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور یوں دعا فرمائی۔ ''اے اللہ! میری امت، میری امت۔'' اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے ہر بات کا بہ خوبی علم ہے مگر تم محمد کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ آپ کو کیا چیز رُلا رہی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور آپ (ﷺ) کو اللہ کا پیغام پہنچایا کہ میں تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کروں گا اور تجھے رنجیدہ نہیں کروں گا۔'' (۵۰/ج)

رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے جانور ذبح فرماتے تو یوں فرمایا کرتے کہ ''یہ قربانی محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے ہے۔'' (۵۱/الف) پس ایصال ثواب کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی جائے کہ ''اے اللہ! جن نیک کاموں کی تو نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے توفیق بخشی ہے ان کا اجر و صلہ رسول اکرم ﷺ اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی عطا فرما، کیوں کہ ان کی بعثت نہ ہوتی تو ہم ایمان و اعمال صالحہ کی نعمت سے کبھی بہرہ مند نہیں ہو سکتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین اور ہمارے تمام اسلاف کو خصوصاً جنہوں نے دین حق کو ہم تک منتقل کیا ہے، اُنہیں بھی ثواب و اجر عطا فرما، میرے والدین اور میرے تمام آبا و اجداد کو، میرے بیوی بچوں کو، میرے بھائی بہنوں کو، نسبی و صہری تمام اقرباء کو تمام مومن و مسلم مردوں اور خواتین کو بہ شمول میرے، اس طرح اجر و ثواب پہنچا کہ کسی کے اجر میں تل بھر کی بھی کمی نہ ہو کیوں کہ تیرے خزانے میں کوئی کمی نہیں اور تیرا

نام شکور ہے کہ معمولی سے معمولی نیکی پر بھی تو بے بہا اجر عطا فرماتا ہے۔ جو گناہ ہم نے شیطان کے بہکانے اور نفس امارہ کی پیروی میں کئے ہیں ان کو معاف فرما اور آخرت میں ہمیں صالحین کی معیت عطا فرما۔ (آمین)'' کسی خاص قرابت دار یا بزرگ کو ایصال ثواب مطلوب ہو تو ان ہیں بھی مذکورہ طرز کی دعا کے عموم میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ دعا، استغفار اور ایصال ثواب کے جائز اور معقول طریقے کو چھوڑ کر مخلوق کو عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مافوق الاسباب امور میں مختار اور متصرف سمجھتے ہوئے ان کے نام پر صدقہ و خیرات کرنا، جانور ذبح کرنا اور اسے ناحق ایصال ثواب کا نام دینا کھلا شرک ہے اور ایسے مذبوحہ جانوروں کا گوشت حرام ہے اگرچہ ان ہیں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ قبروں اور مزاروں پر چڑھاوے چڑھانا، نذریں اور منتیں ماننا، وہاں جانور ذبح کرنا، خیراتیں کرنا وغیرہ سب شرک میں داخل ہے۔ ایسے جانوروں کا گوشت اور ایسی نام نہاد خیراتوں کا مال کھانا حرام ہے۔ مشرکین عرب جب اپنے اموال سے بتوں کے نام کی خیراتیں اور صدقات نکالتے یا ان کے لئے جانور ذبح کرتے تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا بھی حصہ رکھ لیا کرتے تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دور حاضر کے مشرکین نذر اللہ اور نیاز ابو بکر، عمر، علی یا حسین کے عنوانات کے تحت مال خرچ کرتے اور جانور ذبح کرتے ہیں تاکہ یہ بزرگ بہ طور حاجت روا اور مشکل کشا ان کے کام آسکیں۔ اگر جائز ایصال ثواب مقصود ہوتا تو اس کے مستحق صرف یہ بزرگ ہی کیوں قرار پاتے ہیں حال آں کہ گنہ گاروں کو ثواب پہنچایا جائے تو ان ہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی امت کے صرف نیک لوگوں کے لئے ہی نہیں بل کہ پوری امت کے لئے فرمایا کرتے تھے۔

اپنے فوت شدہ اعزہ و اقارب سے محبت اور ان کے احترام کی آڑ میں ایصال ثواب کے نام پر متوفی کا ترکہ شرعی وارثوں میں تقسیم کئے بغیر، بہنوں اور بیٹیوں وغیرہ کو حق وراثت سے محروم کر کے اور یتیم ورثا کو نظر انداز کر کے اسی مال وراثت کو اپنے رشتہ داروں اور کھاتے پیتے دوستوں کے پیٹ میں ڈالنا ایصال ثواب نہیں۔ یتیموں کا مال کھانے والے تو قرآن کریم کی رو سے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور مال وراثت کو ورثا میں صحیح تقسیم نہ کرنے والوں کو تو عذاب کی شدید وعید سنائی گئی ہے۔ (۵۱/ب) ایصال ثواب کے نام پر اُلٹا کبائر کا ارتکاب سراسر فریب نفس ہے۔ اگرچہ بعض صورتوں میں یہ شرک کی حدود تک نہ بھی پہنچے۔

۱۲۔ نسلی برتری کا زعم: نسلی برتری کا باطل زعم بھی بعض اوقات شرک کا سبب بن جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ذات پات کے ہندوانہ اثر سے مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ ایصال ثواب کی نام نہاد رسوم میں بھی ہندو رسوم کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں کے ذات پات کے نظام سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں بھی صدیقی، فاروقی، عثمانی عموماً اور سادات خصوصاً اپنے آپ کو مقدس سمجھنے لگے۔ یہ لوگوں

کے حاجت روا بن بیٹھے۔ انہوں نے اپنے متعلقین اور عقیدت مندوں کو پل صراط پار کرا کر جنت میں بھجوانے کی ذمہ داریاں بہ زعم خویش سنبھال رکھی ہیں۔ اس طرح کے اکثر شاہ صاحبان دراصل اپنے غلط عقائد، کردار اور عمل سے الّا ماشاء اللہ سیاہ صاحبان ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثر تو بہ لحاظ نسب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما وارضاہما کی اولاد سے ہوتے ہی نہیں۔ صرف نسلی برتری میں غلو کی بنا پر معاشرے میں نام نہاد باعزت مقام حاصل کرنا اور دنیوی مفادات مال و جائیداد بل کہ اس سے بھی آگے بڑھ کر نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔ حال آں کہ اسلام میں ایمان وعمل کی درستی کے بغیر رنگ اور نسب ونسل کی قطعاً کوئی قیمت نہیں۔ ایک بدعقیدہ اور بدعمل نام نہاد شاہ صاحب، فاروقی، عثمانی، علوی اور صدیقی وغیرہ سے ایک عام صالح شخص یقیناً افضل ہے۔ سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اے لوگو! ہم نے تمہیں قبیلوں اور ذاتوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں اللہ کے سب سے نزدیک افضل وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (۵۱/ ج) یہاں آیت میں عنداللہ (اللہ کے نزدیک) کی قید بڑی معنی خیز ہے یعنی جو پرہیزگار نہیں وہ لوگوں میں خواہ کتنا ہی معزز اور باوقار کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی عزت نہیں۔ غور کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض روایات کے مطابق حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا تھا ''سیّدا شباب اہل الجنۃ'' کہ یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ دو میں کوئی تیسرا داخل نہیں ہوسکتا۔ اصل سیّد تو صرف حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہوئے۔ ان کی نیک اولاد کو تبعاً سیّد کہا جاتا ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں ہے کہ ہم نیک لوگوں کی نیک اولاد کو بھی ان کے ساتھ شامل کردیں گے۔ (۵۱/ د) لیکن بدعقیدہ یا بدعمل لوگ ہرگز سیّد نہیں ہوسکتے۔ ان ہی نسلی تعصّبات نے یہودیوں کو گم راہ کر رکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ چوں کہ ہمارے آباؤ اجداد میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بڑی کثرت رہی ہے اور ہم ان ہی کی نسل سے ہیں اس لئے ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''(اے پیغمبر!) تو ان سے پوچھ کہ پھر تمہیں اللہ تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا رہا ہے؟ (ایسا نہیں) بل کہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف (سب کا) لوٹ کر جانا ہے۔'' (۵۲/ الف) الغرض اگر کوئی شخص ایمان واعمال صالحہ کی نعمت سے بہرہ مند اور بہ لحاظ نسب وہ انبیاء، صحابہ کرام، اولیا صلحا اور علما کی اولاد سے ہو تو یہ نسبی فضیلت یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی وہبی نعمت ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا شخص نیکیوں میں مسابقت سے کام لے نہ یہ کہ عقیدہ وعمل کی خرابی میں ملوث ہوکر پدرم سلطان بود کی دہائی دیتا پھرے۔

۱۳۔نظریۂ حلول: شرک کا ایک بہت بڑا سبب نظریۂ حلول ہے۔مثلاً عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گئی تھی لہٰذا وہ خدا کے بیٹے اور خدائی صفات کے حامل ہیں۔اسی طرح ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وشنو (رازق) بعض اوقات انسانوں بل کہ دوسرے حیوانات میں بھی حلول کر جاتا ہے تو یہ اوتار کہلاتے ہیں۔عیسائیت پر مباحث میں ہم نے ان کے نظریۂ تثلیث وحلول کو واضح کرتے ہوئے اس کی بھرپور تردید کی ہے۔(۵۲/ب) یہاں یہ دہرانا کافی ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً زید یہ دعویٰ کردے کہ خدا اس کے اندر حلول کر گیا ہے تو عیسائی حضرات زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکیں گے کہ زید بھی اس طرح کے معجزات دکھائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو دکھائے تھے۔زید اس کے جواب میں ان سے پوچھ سکتا ہے کہ کیا خدا تمہارے اس مطالبے کو پورا کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ اگر پابند ہے تو وہ خدا نہیں ہوسکتا جو لوگوں کی خواہشات پوری کرنے کا پابند ہو اگر وہ پابند نہیں تو زید کہہ دے گا کہ چوں کہ میں خدا ہوں اس لئے تمہارے مطالبے کو پورا کرنے کا میں ہرگز پابند نہیں کیوں کہ بعض مواقع پر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی معجزات دکھانے سے صاف انکار فرمادیا تھا۔مثلاً انجیل مرقس میں ہے ''اس (یسوع یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔''(۵۲/ج)۔اب اگر عیسائی حضرات غصے میں آکر زید کو قتل بھی کرڈالیں تو اس کے عقیدت مند فوراً کہہ دیں گے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمہارے کہنے کے مطابق سولی پر چڑھادیا تھا اس کے باوجود تمہارے خیال میں ان کی اُلوہیت (خدائی) میں کوئی فرق نہیں پڑا تو زید کے مقتول ہونے سے بھی اس کی خدائی خلل پذیر نہیں ہوئی۔عیسائیوں کی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت نور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حلول کر گئی تھی اس لئے آپ بشر نہیں بل کہ خدائی صفات کے حامل نور محض تھے تو یہ عیسائیوں کے شرک ہی کی اتباع ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق نوع انسانی سے ہے، اور آپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلنے والی آپ کی نسل کا تعلق بھی نوع انسانی ہی سے ہے البتہ نور کامل ہونا آپ کی صفات کاملہ میں ایک صفت ہے کہ آپ نوع انسانی کے لئے شمع ہدایت ہیں اس سے آپ کا بشر کامل ہونا متاثر نہیں ہوتا۔مخلوق کا نور بھی مخلوق ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفت کلام، صفت نور یا اور کوئی صفت اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کسی مخلوق میں حلول نہیں کرتی کہ خدا ایک سے زائد ہوجائیں۔ایک سے زائد خداؤں کا وجود خلافِ عقل اور محال ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ کے مباحث میں پہلے اور دوسرے شبہے کے جواب میں واضح کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ولاشریک ہے۔

۱۴۔ فلسفۂ ہمہ اوست: ہندوؤں کے ہاں یہ فلسفہ ویدانت ہے۔ اس گم راہ کن فلسفے کی رو سے ہر چیز میں خدا ہے لہٰذا جس چیز کی بھی پوجا کرو دراصل تم خدا کے پجاری ہو۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندو مشرک جس چیز کی چاہیں بے دھڑک پوجا کرتے ہیں۔ البتہ بھارت میں ہندو حضرات کو اپنی مسلمان اور عیسائی اقلیتوں میں خدا کسی نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کا تو آئے دن خون بہایا جاتا ہے۔ مسلمان صوفیا کے ہاں ایک مشہور اصطلاح وحدت الوجود کی ہے جس کا صحیح مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی اور ذاتی ہے وہی باقی ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جب کہ مخلوق کا وجود اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور فانی ہے۔ فانی کی باقی کے مقابلے میں حیثیت کالعدم ہوتی ہے۔ جاہل صوفیا اسے ہندوؤں کے فلسفۂ ویدانت کا مترادف وہم معنی سمجھتے ہیں۔ وحدۃ الوجود میں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں فانی مخلوق کے وجود کی نفی مقصود ہوتی ہے کہ اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق پر موقوف ہے جب کہ فلسفۂ ویدانت اور فلسفۂ ہمہ اوست میں خدا کے ساتھ اس کی ساری مخلوق کو بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس کی الوہیت (خدائی) میں شریک و سہیم ٹھہرا کر خدا بنا دیا گیا ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۱۵۔ اضافتِ تشریفیہ کو غلط معنی پہنانا: بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی چیز یا کسی شخص کے شرف اور قدر و منزلت کی بنا پر اسے اپنی جانب بطور اضافتِ تشریفیہ منسوب کرتا ہے۔ مثلاً مسجد کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہا جاتا ہے کیوں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ مسجد اللہ تعالیٰ کی (معاذ اللہ) کوئی رہائش گاہ نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ خلافِ عادت بغیر باپ کے ہوئی اس لئے ان ہیں کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا ہے کہ بغیر ظاہری اسباب کے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ عیسائیوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام ان کے اندر حلول کر گئی لہٰذا وہ خدا صفات کے مالک ہو گئے حال آں کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے کلمات بہ طور اضافتِ تشریفیہ لائے گئے ہیں۔ اگر اس سے شرک کی گنجائش ہو تو حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے ان ہیں بھی خدا کہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (۵۳/ الف) ''تو جب میں اس (کی صورت انسانیہ) کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے (تعظیمی) سجدے میں گر پڑنا۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو اپنی روح اس لئے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا شرف اور حرمت نمایاں ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ روح حضرت آدم علیہ السلام میں ڈال دی۔ اگر عیسائیوں کے استدلال کو درست قرار دیا جائے تو وہ حضرت آدم علیہ

السلام کو خدا کیوں نہیں قرار دیتے؟ ان ہیں تو وہ الٹا گناہ گار ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب طلب کرتا ہے تو ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے وغیرہ۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ (معاذ اللہ) خدا ہو جاتا ہے ورنہ اسے بندہ کیوں کہا جاتا۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں جیسا کہ ہم کلمۂ شہادت میں اس کی گواہی بھی دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص وہی کام کرنے لگتا ہے جو رضائے الٰہی کے عین مطابق ہو۔ عبادت اور ذکر الٰہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تجلیات اس پر ہوتی ہیں اور وہ اللہ کا مقرب بندہ ہو جاتا ہے۔ آگ لوہے کو اپنا ہم رنگ کر دیتی ہے لیکن لوہا آگ نہیں بن جاتا بل کہ لوہا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا مقرب بندہ خدا اور خدائی صفات کا مالک نہیں ہو جاتا، وہ بندہ ہی رہتا ہے۔ وہ عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کُل اور مافوق الاسباب امور میں متصرف نہیں ہو جاتا بل کہ بندہ ہی رہتا ہے۔ گو اس کی اکثر دُعاؤں کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت بخشے، اس سے کرامتوں کا ظہور ہو اور اس سے لاتعداد لوگوں کو اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچائے۔ عیسائیوں کو خصوصاً اور دوسروں کو عموماً قرآن کریم میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انبیائے کرام اور ملائکہ مقربین اللہ کے بندے ہیں۔ سورہ نساء میں ہے کہ ''اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ بات یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف ڈالا تھا اور وہ اس کی طرف سے ایک روح تھا سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، باز آجاؤ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ اللہ ہی واحد معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے اور اللہ بہ حیثیت کارساز کافی ہے۔ مسیح ہرگز اس میں عار نہیں رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص بھی اللہ کی عبادت کو موجب عار سمجھے تو اللہ سب کو عن قریب اپنے ہاں جمع کرے گا۔'' یہود و نصاریٰ اور ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان کہلانے والوں کی افراط و تفریط دونوں ہی کفر و شرک کی صورتیں ہیں۔

۱۶۔ باپ دادا اور برادری کی اندھی تقلید: شرک کی تعلیم نہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے کبھی دی اور نہ ہی عقل سلیم اسے تسلیم کر سکتی ہے شرک کا سب سے بڑا، قدیم ترین اور نمایاں ترین سبب باپ دادا کی اندھی تقلید ہے۔ مشرکین عرب کے پاس شرک کے معاملے میں کوئی علمی و عقلی دلیل تو تھی نہیں ان کا یہی بچکانہ استدلال تھا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی ہی پیروی کریں گے۔ آباؤ اجداد اور برادری کی پیروی تب درست ہو سکتی ہے جب کہ یہ لوگ ہدایت پر ہوں اور گم راہ نہ ہوں۔ یوں کچھ لوگ واجب اور غیر واجب،

جائز اور ناجائز اتباع وتقلید میں فرق ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مذہبی پیشواؤں کی اندھی پیروی بھی بسا اوقات شرک کا سبب بنتی ہے۔ اہل حق مجتہدین اور علمائے ربانیین دینی مسائل بتاتے ہیں، اپنے گھر سے ہرگز نہیں بناتے۔ مسائل بنانے اور مسائل بتانے دونوں میں فرق کو اچھی طرح ملحوظ رکھا جائے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے مذہبی پیشواؤں اور پاپاؤں کو دینی مسائل وضع کرنے اور بنانے کا پورا اختیار حاصل ہے جو بہ قول ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو دے رکھا ہے۔ یوں اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو زبان سے بھی خدا اور خدا کا بیٹا کہا مگر وہ اپنے پاپاؤں اور مذہبی پیشواؤں کو زبان سے خدا نہ بھی کہیں تو بھی انہوں نے ان ہی شارع اور قانون ساز کا خدائی منصب دے کر اپنے عمل سے خدا بنا رکھا ہے۔ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ان (عیسائیوں) نے اپنے علماء اور درویشوں کو اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا حال آں کہ اُنہیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جن کو بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اللہ اس شرک سے پاک ہے''۔ (۵۳/ب)

ب: شرک کی متنوع اقسام یا شرک کے مختلف عملی مظاہر

ا۔ تثلیث نصاریٰ و ہنود: عیسائیوں کے نزدیک خدا (باپ)، یسوع مسیح (بیٹا) اور روح القدس تینوں الگ الگ اقانیم یعنی شخصیات (Persons) خدائی صفات کی حامل ہیں لیکن ان کا یہ بھی اصرار ہے کہ ان ہیں تین نہ کہا جائے بل کہ خدا ایک ہی سمجھا جائے یعنی یہ تینوں ایک ہی ہیں مگر تینوں الگ الگ ہیں۔ یوں وہ ایک میں تین اور تین میں ایک کے قائل ہیں۔ ایسے کسی نامعقول عقیدے کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہرگز نہیں دی تھی۔ اس عقیدے کا خلافِ عقل ہونا بالکل واضح ہے کیوں کہ اگر ایک تین کے برابر ہو تو ایک کا تہائی حصہ پورے ایک کے برابر ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر جزو کا کُل کے برابر ہونا تسلیم کرنا پڑے گا جو عقلاً محال ہے۔ عیسائیت پر اپنے مباحث میں ہم نے عقیدۂ تثلیث کی بھی وضاحت اور اس کی بھرپور عقلی و نقلی تردید کی ہے۔ (۵۳/ج) اسی سے ہندوؤں کے تین خداؤں برہما، وشنو اور شیو کے باطل تصور کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔ ان کے ہاں برہما خالق، وشنو رازق اور شیو قاہر ہے۔ سورہ فاتحہ کے مباحث میں بھی پہلے اور دوسرے شبہے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذات اور توحید صفات کو ہم واضح کر چکے ہیں۔ (۵۳/د)

۲۔ ثنویت مجوس: مجوسیوں کے خیال میں یزداں نیکی کا اور اہرمن بدی کا خدا ہے۔ دونوں میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ بالآخر یزداں کو اہرمن پر غلبہ حاصل ہوگا یعنی یزدان نفع کا اور اہرمن نقصان کا خدا ہے۔ اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو دُنیا میں تعمیر و تخریب کے آثار و ثمرات میں مساوات ہونی چاہئے مثلاً

روزانہ جتنے لوگ پیدا ہوتے ہیں اُتنے ہی مرنے چاہئیں۔ حال آں کہ مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یزداں اور اہرمن کی قوت اور مخلوقات میں ان کا تصرف برابر نہیں ہیں جس کی قوت زیادہ ہے کشمکش میں وہ دوسرے کو مغلوب کرسکتا ہے۔ مغلوب ہونے والا خواہ آج مغلوب ہو یا مستقبل کے کسی لمحے میں مغلوب ہو، وہ کسی صورت میں بھی خدا نہیں ہوسکتا کیوں کہ خدا کو ہر عیب سے پاک ہونا چاہئے۔ بالفرض اگر دونوں قوت واختیار میں برابر ہیں تو برابری بھی عیب ہے کیوں کہ وہ ایک دوسرے کو مغلوب کرنے سے عاجز ہیں۔ عاجز ہونا بھی عیب ہے۔ پس خدا ایک ہی ہوسکتا ہے جو غالب ہو۔ سورہ یوسف میں ہے ''اور اللہ اپنے کام میں غالب رہتا ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔'' (۵۳/ھ) سورہ نحل میں ہے ''تم دو خدا نہ ٹھہراؤ۔'' (۵۴/الف)

۳۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کی تجویز: شرک کی ایک نمایاں ترین صورت یہ ہے کہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کی جائے حال آں کہ اولاد کا تصور بیوی اور شہوانی تعلق سے پیدا ہوتا ہے اور میاں بیوی کے تعلق میں دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ دونوں ہم جنس ہوتے ہیں۔ دونوں میں شہوانی خواہش موجود ہوتی ہے۔ شہوانی خواہش پوری نہ ہو تو صاحب خواہش میں بے چینی ہوتی ہے۔ محتاج اور بے چین ہونا، کسی کے مشابہ ہونا، اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ پھر جو پیدا ہوگا وہ اپنے والدین کی خصوصیات کا حامل ہوگا نیز وہ اپنے وجود کے لئے والدین پر موقوف ہوگا۔ وہ ہمیشہ سے نہیں ہوگا بل کہ والدین پہلے ہوں گے وہ بعد میں ہوگا۔ اگر زمنی تقدیم وتاخیر کا انکار کیا جائے اور باپ اور بیٹے دونوں کو ازلی وابدی قرار دیا جائے تو بھی بیٹے کا وجود باپ پر موقوف رہے گا، کیوں کہ باپ کے بغیر بیٹے کا تصور عقلاً محال ہے۔ نیز بیٹا بھی باپ کی طرح خدا ہوگا، حال آں کہ ایک سے زائد خداؤں کا وجود عقلاً محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور مخلوق ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتی۔ آسمانوں اور زمین کا وہی بنانے والا ہے۔ وہ کائنات کے ذرے ذرے کا مالک ہے۔ سورہ حج میں ہے کہ ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو، جن چیزوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ہرگز ہرگز ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے اگر چہ وہ اس مقصد کے لئے سب اکٹھے ہوجائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ (ایسے معبودان باطلہ کی مدد) طلب کرنے والا بھی کم زور ہے اور جس سے مدد طلب کی جارہی ہے وہ بھی کم زور ہے۔ ان (مشرکین) نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسی کہ پہچاننی چاہئے۔ بے شک اللہ بہت طاقت ور (اور) نہایت زبردست ہے۔'' (۵۴/ب) اور مثلاً سورہ انعام میں ہے کہ ''وہ (اللہ) آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی

پیشگی نمونے کے پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کہاں سے ہوگی حال آں کہ اس کی کوئی بیوی نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔'' (۵۴/ ج) سورۂ اخلاص میں ہے کہ ''اس (اللہ) نے کسی کو نہیں جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا ہے۔'' (۵۵/ الف) یہودیوں میں سے ایک گروہ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہ سب ان کے منہ کی (جھوٹی) باتیں ہیں۔ (۵۵/ ب) مشرکین عرب اپنے لئے تو بیٹیوں کو عار سمجھتے تھے لیکن فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ان بیہودہ اور غلط باتوں کی بار بار تردید کی گئی ہے مثلاً سورۂ نحل میں ہے کہ ''یہ (مشرکین) اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وہ اس عیب سے پاک ہے اور اپنے لئے وہ اپنی مرضی (کی اولاد یعنی لڑکے) چاہتے ہیں اور اگر ان میں سے کسی کو لڑکی (کے پیدا ہونے) کی خوش خبری دی جائے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹ جاتا ہے۔ وہ قوم سے چھپتا پھرتا ہے اس برائی اور ذلت کی وجہ سے جس کی اسے خوش خبری دی گئی تھی (اب سوچتا ہے کہ) کیا ذلت برداشت کرتا ہوا اسے زندہ رکھے یا مٹی میں دفن کر دے۔ خبردار! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔'' (۵۵/ ج)

۴۔ اوتار لینا: شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ مشرکین بعض انسانوں بل کہ دیگر حیوانات کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا ان کے اندر حلول کر گیا ہے لہٰذا یہ بھی خدائی صفات کے حامل ہیں۔ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے میں سری رام چندر جی اور سری کرشن جی میں وشنو دیوتا حلول کر گیا تھا، لہٰذا ان کی عبادت کی جاتی ہے بل کہ ان کے خیال میں یہ وشنو دیوتا تو شیر، سور اور کچھوے میں بھی حلول کر جاتا ہے یعنی خدائی صفات کے حامل یہ انسان اور حیوانات مخلوق کی طرح ماں کے پیٹ میں رہے، پیدا ہوئے، پرورش پائی، غذا کے محتاج ہوئے، جسم رکھتے تھے، بول و براز کرتے تھے، دکھ اُٹھاتے اور مصیبتیں جھیلتے تھے، الغرض انسانی اور حیوانی خواہشات، خصوصیات اور جذبات رکھتے تھے پھر مر جاتے یا مار دیئے جاتے تھے لیکن پھر بھی مشرکین کے خیال میں خدا تھے۔ **سبحانہ وتعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا** (۵۶/ الف) ''وہ (اللہ) ان تمام (بے ہودہ) باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں، پاک اور بہت بہت بلند ہے۔''

۵۔ اکابر پرستی: شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، علما صلحا اور اولیا کو زبان اور عمل دونوں سے خدا ثابت کیا جائے جیسے عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا قرار دیتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے تو ان ہیں خدا نہ کہا جائے لیکن اپنے عقیدے اور عمل سے یہی ظاہر کیا جائے کہ وہ خدائی صفات کے حامل ہیں جیسے عیسائیوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو تحلیل وتحریم کے

اختیارات کا مالک سمجھ رکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے مذہبی پیشواؤں کو گناہ معاف کرنے کے بھی اختیارات ہیں۔ رومن کیتھولک چرچ کا پوپ خدا کا اور یسوع مسیح کا نمائندہ اس معنیٰ میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ جو حکم بھی دین کے بارے میں دے اسے خدا ہی کا حکم سمجھا جائے۔ الغرض مشرکین اپنے ان اکابر کو زبان سے خدا کہیں یا نہ کہیں لیکن وہ اپنے عمل سے ان ہیں خدا ہی قرار دیتے ہیں۔ ان ہیں بسا اوقات عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کُل، مافوق الاسباب اُمور میں مختار و متصرف سمجھتے ہیں۔ ان سے اُمور غیر عادیہ میں مدد طلب کرتے ہیں مثلاً ان سے اولاد مانگتے ہیں، رزق کی ترقی کے لئے، زندگی کے لمبا ہونے کے لئے، مرض سے صحت کے لئے، قحط سالی میں بارش کے لئے اور دیگر اس طرح کی ضرورتوں کے لئے ان ہیں پکارتے ہیں، ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں، ان کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں، ان ہیں رکوع وسجدہ وغیرہ کرتے ہیں، ان کے لئے قربانی کرتے ہیں، ان کے ایصال ثواب وغیرہ کی آڑ میں نام نہاد خیراتیں کرتے رہتے ہیں کیوں کہ ان کے خیال میں یہ اکابر اور مشائخ جسے چاہیں نہال کردیں اور جسے چاہیں پامال کردیں۔ ان کے نام پر انگوٹھیاں اور کڑے وغیرہ پہنتے ہیں، سر پر چوٹی رکھتے ہیں، کبھی اس پکار وغیرہ میں وہ خدا کو بھی ساتھ شامل کر لیتے ہیں تا کہ بہ زعم خویش شرک کے الزام سے بچے رہیں۔ دُنیا بھر کے مشرک ہمیشہ سے یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور جنہیں وہ نفع ونقصان کا مافوق الاسباب امور میں مالک ومتصرف اور مختار سمجھتے ہیں تو یہ سب کچھ اللہ ہی نے ان کو دے رکھا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ چوں کہ ہم ان کے اختیارات کو عطائی مانتے ہیں اور ان کے یہ اختیارات اللہ کے اختیارات کی طرح ذاتی نہیں ہیں لہٰذا ہم شرک سے محفوظ ہیں۔ یوں دُنیا کا کوئی مشرک بھی اپنے آپ کو مشرک کہلانا پسند نہیں کرتا۔ ان ہی خیالات کے تحت عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، ہندو رام چندر جی وغیرہ کو اور مسلمان کہلانے والے بعض حضرات مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ کو پکارتے ہیں کچھ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نادِ علی وغیرہ وظائف کی صورت میں پکارتے ہیں۔ نادِ علی کے متعلق عملیات و وظائف کی اکثر کتب میں کچھ یوں لکھا ہوا ملے گا ''غزوۂ تبوک میں جب لشکر اسلام کی شکست ہونے لگی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہونے لگے اس وقت جبرئیل علیہ السلام یہ کلمات لائے آپ نے فرمایا: كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِيْ بِنُبُوَّتِكَ يا مُحَمَّدُ وَبِوَلَايَتِكَ يا عَلِيُّ يا عَلِيُّ يا عَلِيُّ ہنوز تین مرتبہ بھی پورا نہ نکلا تھا کہ جناب اسد اللہ الغالب حاضر ہوئے اور لشکر کفار کے ساتھ محاربہ کیا بعضے ان میں سے قتل ہوئے اور بعضے فرار ہوئے۔ اسلام کی فتح ہوئی، بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔'' (۵۶/ب) اس بے سند روایت کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ غزوۂ تبوک میں مقابلہ قیصر روم سے تھا وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ

مسلمانوں کے مقابلے کے لئے وہ سرے سے باہر نکلا ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں کوئی تین ہفتے تک قیام فرمایا۔ اردگرد کے بعض عیسائی حکمرانوں نے حاضر خدمت ہوکر صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت علیؓ اس غزوے میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہیں مدینے میں اہل بیت کی دیکھ بھال پر مامور فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نجومیوں اور غیب کی خبریں بتانے والے کاہنوں وغیرہ سے دُور رہنے کا حکم دیا تھا لیکن عملیات میں ستاروں اور سیاروں کی منازل اور اوقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفے پڑھے جاتے ہیں حال آں کہ اگر کسی وظیفے میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، قرآنی آیات وغیرہ پاکیزہ کلمات ہوں تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمے کو پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچیں اور جو اللہ کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دے۔ (۵۶/ ج)

شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ کچھ دنیا دار علمائے سو اور جھوٹے مشائخ مال و جاہ کی محبت میں اپنے عقیدت مندوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں اور مافوق الاسباب امور میں تصرف و اختیار رکھتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر جاہل ہوتے ہیں اپنے آپ کو فضلا سمجھتے یا دوسروں سے کہلواتے ہیں لیکن حقیقت میں فضلہ ہوتے ہیں۔ ان کی نظر عقیدت مندوں کی جیب پر اور بعض اوقات ان کی عزت و ناموس پر ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا۔ سورہ توبہ میں ہے کہ ''اے ایمان والو! بے شک بہت سے (اہل کتاب) علماء اور درویش لوگوں کے مال ناحق کھاتے اور اللہ کے (سیدھے) راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔'' (۵۷/ الف) یعنی حرام خوری بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی دین کے معاملے میں لوگوں کو سیدھی راہ دکھانے کی بہ جائے ان ہیں گم راہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

اس شرک کی تعلیم ہرگز ہرگز حضرات انبیاء علیہم السلام، علمائے ربانیین اور اولیائے کرام نہیں دیتے۔ لوگ ان کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں۔ سورہ فرقان میں ہے کہ ''جس دن اللہ ان ہیں جمع کرے گا اور ان لوگوں کو بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ان سے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گم راہ کیا تھا یا یہ خود ہی (سیدھی) راہ سے بھٹک گئے تھے۔؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ذات ہے ہمارے لئے ہرگز یہ زیبا نہ تھا کہ ہم تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے، بات یہ ہے کہ تو نے ان ہیں اور ان کے باپ دادا کو نعمتیں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت کو بھلا بیٹھے، یہ لوگ تو تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ تو انہوں نے تو تمہیں تمہاری تمام باتوں میں جھٹلا دیا۔ اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے نہ مدد کرنے کی، تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔''

(۵۷/ب) سورۂ آل عمران میں ہے کہ ''کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بل کہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب والے ہو جاؤ، جس طرح کہ تم (اللہ کی) کتاب پڑھاتے اور جس طرح پڑھتے ہو اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔ کیا وہ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دینے لگ جائے گا؟'' (۵۷/ج) سورۂ احقاف میں ہے کہ ''(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اس شخص سے زیادہ گم راہ کون ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ **واذاحشر الناس کانوا لھم اعداء وکانوا بعبادتھم کافرین** (۵۸/الف) اور جب لوگوں کو (بروز قیامت) جمع کیا جائے گا تو وہ (جنہیں مشرکین مافوق الاسباب امور میں اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کے لئے پکارا کرتے تھے) ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا وہ انکار کریں گے۔''

عبادت واستعانت کے مباحث میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ مافوق الاسباب (غیر اختیاری) اُمور میں غیر اللہ (مخلوق) کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنا عبادت ہی کی ایک صورت ہے لہٰذا شرک ہے۔ مذکورہ بالا قرآنی مضامین سے خوب واضح ہو رہا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے نیک بندوں نے کبھی بھی کسی بھی طرح کے شرک کی تعلیم لوگوں کو نہیں دی۔ جو لوگ مخلوق کو حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں تو یہ پکارے جانے والے لوگ قیامت کے دن ان پکارنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے یہاں ذی حیات مخلوق بہ طریق اولیٰ مراد ہے۔ بت تو بے جان ہیں جن بزرگوں نبیوں اور اولیا وغیرہ کے بت لوگوں نے بنا رکھے ہیں یہی حضرات قیامت کے دن ان کے دشمن ہوں گے نہ کہ ان مجرموں کی وہ کوئی سفارش کریں گے۔

۶۔ **ملائکہ اور جنات کی پرستش:** شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ مشرکین فرشتوں اور جنات کو زبان سے خدا کہیں یا نہ کہیں ان سے خدا والا معاملہ رکھتے ہیں۔ مافوق الاسباب اُمور یعنی اُمورِ غیر عادیہ میں ان ہی پکارتے ہیں اور یہ پکارنا عبادت ہی میں شامل ہے۔ ان سے مدد طلب کرتے ہیں ان کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں، اللہ کا واسطہ دے کر یا ویسے ہی ان ہی پکارتے ہیں مثلاً یا جبرائیل یا کلکائیل یا دردائیل وغیرہ پڑھتے ہیں یا مثلاً یا تکفیل بحق یا حیّ، یا اواکیل بحق یا رحیم وغیرہ پڑھتے ہیں۔ سورہ سبا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا اور فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ **قالوا سبحانک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن اکثرھم بھم مؤمنون**O (۵۸/ب) ''وہ کہیں گے تو پاک ذات ہے اور ہمارا ولی تو ہی ہے نہ کہ یہ لوگ (یہ ہماری

نہیں) بل کہ جنوں کی عبادت کرتے تھے ان میں سے اکثر کا ان ہی پر ایمان تھا''۔ یعنی یہ فرشتے بھی قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتمہید کے بعد مشرکین سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی وآقا ہے۔ ہمارا ان مشرکین سے کیا تعلق ہے؟ ہم نے تو ان ہیں اس طرح کی کوئی تعلیم ہرگز نہیں دی بل کہ یہ شیاطین کے کہنے پر ہمیں پکارتے رہے اور دراصل یہ شیاطین ہی کے پجاری تھے نہ کہ ہمارے مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سورہ نساء میں ہے کہ ''یہ مشرکین محض عورتوں کو پکارتے ہیں اور (دراصل) یہ محض سرکش شیطان کو پکارتے ہیں'' (۵۸/ ج)۔ یہ مشرکین فرشتوں کی طرح جنات کو بھی حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں۔ سورہ انعام میں ہے کہ ''ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک ٹھہرالیا حال آں کہ اللہ نے ان ہیں پیدا کیا ہے اور انہوں نے سوچے سمجھے بغیر اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑلیں، جو باتیں وہ کرتے ہیں اللہ ان سے پاک اور برتر ہے۔'' (۵۹/ الف) جن عملیات اور وظائف میں اللہ کے علاوہ دوسروں سے یا اللہ کے ساتھ دوسروں سے بھی مافوق الاسباب اُمور میں مدد طلب کی جاتی ہے اور وہ بعض اوقات حیرت انگیز طریقے سے موثر ثابت ہوتے ہیں تو اسی کو شریعت کی اصطلاح میں سحر یعنی جادو کہا جاتا ہے۔ سحر میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لئے اثر بھی رکھ دیا ہے اور ساتھ ہی حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے واضح بھی فرمادیا ہے کہ سحر شرک ہے۔

۷۔ قبر پرستی: یہ بت پرستی کی عموماً پہلی منزل ہوتی ہے۔ صحیح بخاری اور کتب تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول موجود ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر اللہ کے نیک بندے رہے تھے۔ ان کی نیکی اور پاکیزگی لوگوں میں مشہور تھی۔ جب وہ دُنیا سے رخصت ہوگئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر آنا جانا شروع کردیا۔ کچھ عرصے کے بعد ان کی تصویریں اور مجسمے بنالئے۔ مزید کچھ وقت گزرا تو ان کی عبادت شروع کردی گئی۔ آہستہ آہستہ یہ بت پرستی قبائل عرب تک بھی پہنچ گئی۔ (۵۹/ ب) صحیح مسلم میں ابوالھیاج اسدی سے روایت ہے کہ مجھے حضرت علیؓ نے حکم دیا اور فرمایا کہ میں تجھے ایسے کام پر روانہ نہ کروں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا؟ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کردوں اور ہر مورتی اور بت وغیرہ کو توڑ دوں۔ (۵۹/ ج) صحیحین یعنی بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا کہ اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے اُنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (۶۰/ الف)۔ اسلام میں پختہ قبریں بنانا ممنوع ہے۔ لوگوں کو شرک سے بچانے کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اسی طرح پختہ قبریں بنتی رہیں تو بالآخر زندہ انسانوں کے لئے اس زمین پر کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہے گی۔ بعض

من چلے تو پانچ پانچ، چھ چھ قبروں کی کم وبیش جگہ گھیر کر تعمیر کو پختہ بناتے ہیں اور اُس پر قبہ وغیرہ بھی تعمیر کرتے ہیں حال آں کہ اس غیر شرعی کام کا شوق پورا کرنا ہی ہو تو اسے اپنی ملکیتی اراضی پر پورا کرنا چاہئے نہ کہ عام قبرستانوں میں جن کی زمین سب مسلمانوں کے لئے وقف ہوتی ہے۔ پختہ قبریں بنانا شرک نہیں گناہ ہے لیکن اس طرح کے گناہ کشاں کشاں لوگوں کو شرک کی طرف لے جاتے ہیں، چناں چہ بزرگوں کے نام پر قبرستانوں اور مزاروں پر جانور ذبح کرنا یا خیراتیں کرنا شرک ہے۔ جیسا کہ ان مباحث میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے ایصالِ ثواب جیسے جائز کام کی آڑ میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایصالِ ثواب تو کہیں سے بھی ہوسکتا ہے اس کے لئے قبرستان اور مزار پر جانور ذبح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ قبروں اور مزاروں کا طواف اور ان کے لئے سجدے کرنا سب شرک ہے۔ پختہ قبروں اور مزاروں کی شریعت میں گنجائش ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین مثلاً شہدائے احد پر مزار اور قبے بنانے اور وہاں مجاوروں کا ڈیرہ لگانے کا ضرور بالضرور انتظام واہتمام فرماتے۔ سیّد الشہداء اسد اللہ واسد رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اور کون اس کا مستحق ہوسکتا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی گھر میں حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مدفون ہیں اور شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی اسی جگہ ہیں۔ اس سے مزار سازی کا کوئی جواز نہیں ملتا۔

۸۔ بت پرستی: یہ شرک کی بدترین قدیم ترین نمایاں ترین اور مشہور ترین صورت ہے۔ انسانوں، دیوی، دیوتاؤں کے بت اپنے ہاتھوں سے تراشے جاتے ہیں اور ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ مشرکانہ مذاہب کی عبادت گاہیں ان بتوں اور مورتیوں سے عموماً بھری ہوتی ہیں۔ مشرکین عرب نے بھی خانہ کعبہ میں بت ڈال رکھے تھے حال آں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے صاحب زادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم پر جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا تو دوسری دُعاؤں کے ساتھ یہ دُعا بھی اللہ تعالیٰ تعالیف سے کی تھی کہ ''اے میرے رب! اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کرنے لگیں، اے میرے رب! ان بتوں نے تو بہت سے لوگوں کو گم راہ کیا ہے۔'' (۶۰/ب) دیوی دیوتاؤں اور ان کے فرضی مجسموں کی پوجا بھی اسی بت پرستی میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بعض محدود اختیارات ان اُمور میں دے رکھے ہیں جنہیں ماتحت الاسباب اُمور کہا جاتا ہے لیکن بے جان بت اور مورتیاں تو اس سے بھی عاجز ہیں لہٰذا ان کی پوجا تو پرلے درجے کی حماقت ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ ''جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں تم ان ہیں پکارو ان ہیں چاہئے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم ان (فوت شدہ لوگوں کو

پکارنے میں) سچے ہو۔ (جہاں تک ان فوت شدہ لوگوں کی مورتیوں یا فرضی دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کا تعلق ہے تو) بھلا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنیں۔ تو کہہ اپنے ان شریکوں کو تم بلالو پھر میرے خلاف تدبیر کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔'' (۶۰/ ج) سورۂ ہود میں ہے کہ ''پھر جب تیرے رب کے فیصلے کا وقت آ گیا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے ان کے کچھ بھی تو کام نہ آ سکے اور انہوں نے ان کے لئے صرف تباہی اور بربادی میں ہی اضافہ کیا۔'' (۶۱/ الف)

۹۔ مظاہر پرستی: فلسفۂ ویدانت کے تحت یا اس بہانے سے کہ خارجی مظاہر اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے جلال و جمال اور ہیبت وعظمت کو ظاہر کرتے ہیں، مشرکین سوج، چاند، ستاروں، سیاروں، درختوں، پہاڑوں، جانوروں، حشرات الارض مثلاً سانپوں، کچھوؤں، مردانہ وزنانہ جنسی اعضا اور پتھروں وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں۔ سورہ حٰم السجدہ میں ہے کہ ''اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے رات اور دن، سورج اور چاند ہیں، تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو اور اسی اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان ہیں پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی (اللہ) کی عبادت کرتے ہو۔'' (۶۱/ ب)۔ یعنی مظاہر فطرت کو مظہر قدرتِ الٰہی، مظہر جمال الٰہی، مظہر جلال الٰہی، مظہر رحمت الٰہی وغیرہ قرار دے کر ان کی عبادت اور مافوق الاسباب اُمور میں ان سے استعانت کی کوئی عقلی ونقلی گنجائش نہیں بل کہ جس اللہ خالق کائنات کی قدرت ورحمت اور جس کے جمال وجلال اور ہیبت وعظمت کو یہ مظاہرِ فطرت ظاہر کرتے ہیں اسی اللہ ہی کی عبادت کرنی ہوگی۔ اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا قرار دینا ہوگا۔ اسی طرح جن بندگانِ الٰہی نے ہمارے لئے یوں مظہر عون الٰہی ہونے کا ثبوت دیا کہ انہوں نے ہمیں اللہ کی صحیح عبادت اور مافوق الاسباب میں اسی سے مدد مانگنے کا طریقہ بتایا اور سکھایا تو عقل ونقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی اسی اللہ کی عبادت کریں اور اسی سے مدد مانگیں جس نے ہمیں بھی اور ہمیں سیدھی راہ دکھانے والے ان بندگانِ خدا کو بھی پیدا فرمایا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے مدد میری مال کو معبود بنادے اس پر حضرت عیسیٰ کے جواب کا ایک حصہ یہ ہوگا کہ میں نے ان سے صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ (۶۱/ ج)

۱۰۔ نفس پرستی: شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ بظاہر بت پرستی یا مظاہر پرستی وغیرہ کرتے نظر نہیں آتے لیکن وہ پھر بھی اس لئے مشرک ہیں کہ اُنہوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا یا ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والا ہر شخص مشرک ہے۔ ضروریاتِ

دین سے مراد دین کی وہ باتیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک تواتر اور یقین قطعی سے پہنچی ہیں خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات، معاملات، معاشرت واخلاق سے ہو یعنی خواہ ان کا تعلق دینی اصول سے ہو یا فروع سے ہو پھر یہ دینی احکام خواہ اہل علم فقہاء کی اصطلاح میں فرض وواجب ہوں یا سنت ومستحب وغیرہ ہوں۔ مثلاً مسواک کرنا مسنون عمل ہے اور چون کہ اس کا مسنون ہونا ہم تک طبقاتی اور عملی تواتر سے پہنچا ہے اس لئے اہل علم کے نزدیک اس کے مسنون ہونے کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ضروریاتِ دین سے انکار اس لئے شرک ہے کہ اگر انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں اپنا خالق و مالک اور آقا سمجھتا تو اس کی اور اس کے رسول کی ہر بات کو تسلیم اور قبول بھی کرتا۔ دہریت (خدا کا انکار یا اس کے وجود میں شک وارتیاب) بھی نفس پرستی ہی کی ایک صورت ہے۔ سورۂ فرقان میں ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ (۶۱/ج)۔ ''بھلا تو دیکھ تو سہی جس شخص نے اپنی (دلی اور نفسانی) خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہو تو کیا تو (بروزِ قیامت) اس کا وکیل بنے گا؟'' اللہ کے حکم کو حکم مان لینے اور سمجھ لینے کے باوجود اس کی یوں نافرمانی کرنا کہ طبیعت میں ذرا بھی ملال پیدا نہ ہو اور نہ ہی اس نافرمانی کو گناہ سمجھتا ہو یا اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول نہ کرتا ہو اور جان بوجھ کر تاویلاتِ فاسدہ کا سہارا لیتا ہو یا دین پر عمل کرنے کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو اور اسے بہ زعم خویش شیطان کے بہکاوے سے روشن خیالی قرار دیتا ہو تو یہ سب اتباع ہوئی یعنی خواہش نفس کی پیروی ہے جو شرک ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ ''کیا ایسے لوگ جاہلیت کے فیصلوں کو تلاش کرتے ہیں، حال آں کہ اہل ایمان کے لئے اللہ کے فیصلے سے اچھا فیصلہ اور کس کا ہو سکتا ہے؟'' (۶۲/الف) سورہ نساء میں ہے ''تیرے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے اپنے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات میں فیصل تسلیم نہ کرلیں پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح تیرے لئے سرِ تسلیم خم نہ کردیں۔'' (۶۲/ب)۔ سورہ مائدہ میں ہے کہ ''جو شخص اللہ کی اُتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی وہ لوگ کافر ہیں۔'' (۶۲/ج) البتہ خواہش نفس کی ایسی پیروی جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو صحیح معنوں میں تسلیم کرتا ہو اور اپنے آپ کو خطا کار سمجھتا ہو، شرک نہیں مگر معصیت اور گناہ ہے۔ اسے بعض اوقات تغلیظاً (سخت الفاظ میں) شرک خفی کہہ دیا جاتا ہے۔ ریاکاری بھی اسی میں داخل ہے۔

ج: شرک کے عملی زندگی پر بداثرات

۱۔ شرک ایک نامعقول رویہ: مشرک زندگی میں نامعقول رویہ اپناتا ہے۔ اگر حضرات انبیاء

علیہم السلام نہ بھی تشریف لاتے تو بھی شرک کا کوئی جواز نہ ہوتا کیوں کہ وحی کے بغیر علم کا ایک ذریعہ عقل سلیم بھی ہے جو شرک کو ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین خود بھی اپنے آپ کو مشرک کہلانا پسند نہیں کرتے۔ نام توحید کا لیتے ہیں اور شرک کے لئے کوئی نہ کوئی غیر معقول عذر تراشتے ہیں۔ مثلاً عیسائی تثلیث یعنی تین الگ الگ خداؤں باپ بیٹا اور روح القدس کے قائل ہیں مگر مضحکہ خیز اصرار کرتے ہیں کہ ان تینوں کو ایک ہی قرار دیا جائے، تاکہ تثلیث بھی باقی رہے اور تصورِ توحید میں بھی خلل واقع نہ ہو۔ ہندوؤں کو لیجئے۔ ہندومت کے تحت ہندومت معاشرے میں بت پرستی اور مظاہر پرستی عوام وخواص میں رچی بسی ہے لیکن تعلیم یافتہ حضرات اپنے آپ کو شرک کے الزام سے بچانے کے لئے مختلف بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ عبادت تو صرف خدا کی ہے، مورتیاں تو خدا کا تصور قائم کرنے اور اپنی توجہ کو یک سو کرنے کے لئے ہیں۔ معبود خدا ہے، مورتیاں نہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ دیوتے اور دیویاں تو خدا کی صفات کے مظاہر ہیں، خدا ایک ہی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی قدرت اور اس کا جمال وجلال ہر شے میں نمایاں ہے، اس لئے مخلوق کی پوجا اور عبادت دراصل خالق ہی کی پوجا ہے۔ ہم بتوں میں خدا کا تصور کر کے دراصل خدا ہی کی پوجا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہی ہے مگر ہم اس کے مقرب بندوں کو اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں جو خدا نے ان ہیں دے رکھے ہیں۔ اس کے یہ مقرب بندے ہمہ دان، ہمہ بین، حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ یہ خدا کی قدرت وعظمت اور اس کی مدد و نصرت کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ ان کی عبادت و پوجا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خدا کو یکتا نہیں مانتے۔ خدا کے اوصاف ذاتی ہیں اور اس کے مقرب بندوں کے عطائی ہیں۔ جب یہ بزرگ ہمیں چھوڑ کر کسی پردے میں چلے گئے تو ہم نے ان کے مجسمے اور مورتیاں صرف توجہ کو یک سو کرنے کے لئے بنالیں ورنہ پتھروں کی تو صرف وہی پوجا کرے گا جس کی عقل پر پتھر پڑے ہوں۔ ہم تو ان بزرگوں کی پوجا کرتے ہیں جو ہمیں اللہ کا پیارا بناتے ہیں اور ہماری ضرورتیں اس سے پوری کراتے ہیں۔ ہم نے تو خدا کو ظاہری آنکھوں سے کبھی دیکھا نہیں وہ تو بہت بڑا ہے ہماری کیا مجال کہ ہماری وہاں تک رسائی ہو سکے اس لئے ہم ان بزرگوں کے ذریعے ہی اس کے دربار تک پہنچ سکتے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ جب تمام غلط اور نامعقول توجیہات کی تردید کی جاتی ہے اور ان ہیں بتایا جاتا ہے کہ عبادت کا صحیح طریقہ بھی تو خدا کے بتانے پر موقوف ہے نہ یہ کہ خواہش پرستی کرتے ہوئے خود اس طرح کے طریقے اور بہانے تراشے جائیں تو ان مشرکین کا سب سے بڑا اور منہ توڑ کی بہ جائے منہ زور جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے اور نہ ہی انسان اپنی برادری کے رسوم ورواج سے کٹ سکتا ہے۔ جب ان سے کہا

جاتا ہے کہ مذہب خلافِ عقل عقیدوں اور کاموں پر مبنی نہیں ہونا چاہئے تو جواب یہ ملتا ہے کہ مذہب کا عقل سے تعلق جوڑنا صحیح نہیں یہ تو صرف روحانی تسکین کا ذریعہ ہے جو جس طریقے پر مطمئن ہے اس کے لئے وہی درست ہے۔ یہ مشرکین شرک کرنے کے باوجود دبے یا کھلے لفظوں میں ہیر پھیر سے آخر توحید کا اقرار اس لئے کرتے ہیں کہ وجودِ باری تعالیٰ اور باری تعالیٰ کے یکتا ہونے کا احساس ایک جبلی اور فطری احساس ہے۔ دہریت ہو یا شرک، یہ دونوں ہی انسانی فطرت کے خلاف بغاوت ہیں۔ انسانی فطرت کو دبایا تو جاسکتا ہے کچلا نہیں جاسکتا۔ مشرکین عرب کو اس کا پورا پورا اقرار واعتراف تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات ہے وہی اصل مالک ہے وہی رازق ہے مگر اس نے اپنے جن بندوں کو اپنا قرب بخشا ہے ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تک پہنچا دیں گے یہ ہمارے چھوٹے معبود ہیں۔ ان کی عبادت کئے بغیر ہم معبود اکبر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ فطرت کے خلاف اس بغاوت کی نشان دہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (۶۳/الف) ''سو تو اپنا چہرہ تمام غلط راستوں کو چھوڑتے ہوئے دینِ (اسلام) کی طرف کردے یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' صحیحین میں ہے کہ ''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (۶۳/ب) ایک روایت میں علی الفطرۃ کی بہ جائے علی الملۃ اور دوسری روایت میں علی ھذہ الملۃ کے الفاظ ہیں کہ ہر بچہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسانی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ معقول باتوں کو قبول کیا جائے اور نامعقول باتوں کو رد کیا جائے۔ کفر وشرک کبھی بھی عقل سلیم کے تقاضوں پر پورا نہیں اُترتا اور اس کا سب سے بڑا سبب گم راہ آباؤ اجداد کی اندھی پیروی ہے۔ یہ اندھی پیروی بھی دین اور معاشرتی رسوم وغیرہ میں ہی ہوتی ہے ورنہ دنیوی اُمور میں آباؤ اجداد کے غیر معقول طریقے سے کوئی بھی چمٹا نہیں رہتا۔

۲۔ شرک ظلم عظیم ہے: مشرک فکری طور پر بھی گم راہ ہوتا ہے اور عملی زندگی میں وہ شرک کا مرتکب ہوکر بدترین ظلم کرتا ہے۔ ظلم کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے اصل ٹھکانے پر نہ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی کائنات کا باہم رشتہ خالق ومخلوق کا رشتہ ہے۔ خالق مخلوق نہیں ہوسکتا اور مخلوق خالق نہیں ہوسکتی، لیکن مشرک خدا کو بہ زعمِ خویش مخلوق کی سطح پر اور مخلوق کو خدائی کے مقام پر فائز سمجھتا ہے، جو بدترین جھوٹ ہے، کیوں کہ یہ سب کچھ من گھڑت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں کی تعلیم نہیں۔ مخلوق پر

سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کوئی اس کے احکام کو تسلیم کرتے ہوئے نافرمانی کرے یا اللہ اور بندوں کے حقوق کو ضائع کرے لیکن اللہ کو مخلوق کی سطح پر اور مخلوق کو اللہ کی سطح پر نہ لائے تو وہ مجرم اور گناہ گار تو ضرور ہے لیکن مشرک نہیں۔ شرک تو کھلی بغاوت ہے کیوں کہ مشرک سرے سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص، حق الوہیت و معبودیت کو تسلیم ہی نہیں کرتا اگر وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کو ہی معبود سمجھتا تو مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک ہی نہ کرتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے؟ ان الشرك لظلم عظيم (۶۳/ ج) ''بے شک شرک بہت بڑا ظلم اور جرم ہے۔'' یہ کہنا کہ اللہ کے مقرب بندوں کی عبادت دراصل اللہ ہی کی عبادت ہے، بدترین جھوٹ اور فریب نفس ہے۔ اللہ کے جو بندے واقعی اس کے مقرب ہیں ان کی ہمیشہ سے یہی تعلیم رہی ہے کہ صرف اللہ ہی عبادت کرو اسی کو عالم الغیب والشہادۃ، مختار کل اور قادر مطلق سمجھو۔ مافوق الاسباب امور میں اسی سے مدد طلب کرو۔ اس کے اوامر (احکام) پر عمل کرو اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے بچو تو تم بھی اللہ کے مقرب ہو جاؤ گے اور اس مقصد کے لئے اللہ کے رسول کی صحیح اتباع ناگزیر ہے۔ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (۴۶/ الف) ''(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔''

۳۔ شرک عظیم ترین گم راہی: اگر ہم صراط مستقیم کو ایک خط مستقیم سے تشبیہ دیں تو دو نقطوں کے درمیان سیدھا خط ایک ہی ہوسکتا ہے جب کہ ٹیڑھے میڑھے اور منحنی خطوط لاتعداد ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ پر صراط مستقیم کو نور سے اور گم راہی کو ظلمت سے تشبیہ دی تو لفظ نور کو واحد رکھا گیا اور ظلمت کی جمع ظلمات لائی گئی۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہے: اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (۶۴/ ب) ''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے دوست شیاطین ہیں جو ان ہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں''۔ الغرض خط مستقیم تو ایک ہی ہوسکتا ہے۔ منحنی خطوط اگر بالآخر دونوں نقطوں تک پہنچ جائیں تو گو فاصلہ کم و بیش طویل ہو گیا لیکن یہ بھٹکنا دور کا بھٹکنا نہیں۔ اگر یہ منحنی خطوط خط مستقیم سے بہت دور نکل جائیں اور نقطوں کی جانب لوٹ کر نہ آئیں تو یہ دُور کا بھٹکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کو دور کی گم راہی قرار دیا ہے۔ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (۶۴/ ج) ''اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے

وہ دور کی گم راہی میں جا پڑا۔'' گم راہ ہونا ہی اصل اور حقیقی نقصان ہے۔ کیوں کہ آخرت میں اس کی تلافی نہ ہوگی اور صراط مستقیم کو پالینا ہی اصل اور حقیقی نفع ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے دنیوی زندگی میں کوئی نقصان دراصل نقصان ہے ہی نہیں۔ عقیدہ توحید پر کاربند مسلمان تکلیف پر صبر کرتا ہے تو اسے عالم آخرت میں بے بہا اجر حاصل ہوگا۔ اگر دنیا میں اس کے نقصان کی تلافی نہیں ہوئی تھی تو آخرت میں یقیناً ہو جائے گی۔ اگر عقیدہ توحید پر قائم شخص اپنے بعض گناہوں پر ماخوذ بھی ہوا تو بھی عقیدہ توحید کی برکت سے بالآخر اس کی نجات ہو جائے گی۔ پس صراط مستقیم پر وہی شخص ہو سکتا ہے جو توحید پر قائم اور شرک سے بچتا ہو۔ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جانی سورہ فاتحہ میں اسی لئے ہم سے یہ کہلایا جاتا ہے کہ اے اللہ! ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف اور صرف تجھ ہی سے (مافوق الاسباب امور میں) مدد طلب کرتے ہیں تو ہمیں صراط مستقیم پر چلا دے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ یوں صراط مستقیم ہی خاص الخاص نعمت ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان، ہوا و فضا، غذا و دوا، پانی، مال و جائیداد، بیوی بچے وغیرہ بھی اللہ کی نعمتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ طلب بھی کی جاتی ہیں لیکن یہ تو کفار و مشرکین کو بھی حاصل ہیں۔ اس لئے سورہ فاتحہ میں نعمتوں کا جامع عنوان صراط مستقیم قرار دیا گیا ہے باقی سب نعمتیں اس کے تابع ہیں۔ ورنہ باقی نعمتیں اس دنیا میں عارضی فائدہ دیں گی اور آخرت میں وبال جان بن جائیں گی کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی بہ جائے گم راہی کیوں اختیار کی تھی؟

۴۔ **شرک بدترین غلاظت:** جب عقل سلیم کے تقاضوں کے سراسر خلاف مخلوق کو خدائی کا مقام دیا گیا تو یہ سلسلہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا اور ان مخلوق معبودان باطلہ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ فرشتے، انبیاء، صحابہ کرام، اولیاء، جنات، سورج، چاند ستارے، سیارے، جانور، درخت، پہاڑ، حشرات الارض، آگ، پانی، قبریں، بت اور مجسمے، تصویریں، ارواح، زندہ و مردہ انسان، مختلف جسمانی اعضا حتیٰ کہ مردانہ و زنانہ جنسی اعضا غرض ہر چھوٹی بڑی چیز اس شرک کی وجہ سے (معاذ اللہ) خدا اور معبود قرار پائی۔ اس پر بھی طبیعت سیر نہ ہوئی تو مصنوعی اور خیالی خدا تو ہم پرستی کی بنیاد پر وجود پذیر ہوئے۔ اس طرح کے خیالی خدا ہر قوم کے ہاں جداگانہ ہیں۔ ان کی پیدائش، ان کے اجسام، ان کے جسمانی اعضا، قد و قامت، عمر، جائے سکونت اور ان کے غیر معمولی دل چسپ مگر فرضی کارناموں اور مہم جوئیوں وغیرہ کے تذکرے سے ہر مشرک قوم کی مذہبی کتب بھری پڑی ہیں۔ اس دیومالائیت کو سلیم الطبع لوگ غلاظت کا ڈھیر سمجھنے پر مجبور ہیں۔ یہ مصنوعی خدا بہ یک وقت مشرکین کے خدا بھی ہیں اور مخلوق کی صفات کے حامل بھی ہیں۔ یہ خدا کبھی ایک انسان کے روپ میں اور کبھی کسی جانور کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ ان خداؤں کے جسم بھی ہیں

لیکن چوں کہ یہ خدا ہیں اس لئے ان کے جسم بھی عجیب وغریب تجویز کئے گئے ہیں۔ ان کے کئی کئی سر بازو، کئی کئی چہرے، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں ہوتے ہیں۔ بعض کے پر بھی لگے ہوتے ہیں۔ یہ چوں کہ خدا ہیں اس لئے قوانین فطرت پر حکمرانی کرتے نظر آتے ہیں کوئی اولاد دینے والا دیوتا یا دیوی ہے تو کوئی آندھی اور بارش کا مالک ہے۔ کوئی فائدہ پہنچاتا ہے تو کوئی تباہی و بربادی لاتا ہے، یوں یہ محیر العقول کارنامے سرانجام دیتے ہیں، لیکن چوں کہ یہ مخلوق بھی ہیں اس لئے یہ دیگر مخلوقات کی طرح پیدا ہوتے اور مرتے ہیں یا مار دیئے جاتے ہیں۔ یہ کھاتے پیتے، دکھوں اور بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جنسی خواہش رکھتے ہیں اولاد کی بھی ان ہیں خواہش اور ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خدا ہیں مگر کبھی مجبور ہو کر یا از راہ تفنن طبع مکر وفریب اور جھوٹ سے بھی کام لیتے ہیں۔ یہ خدا کی مخلوق کی مدد کرتے ہیں لیکن بعض اوقات یہ خود دوسروں کی مدد کے شدید محتاج ہوتے ہیں۔ خدا ہونے کی حیثیت سے یہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن کبھی ان ہیں سامنے پڑی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ یہ خدا ہوتے ہیں اس لئے دوسروں پر غالب ہوتے ہیں لیکن مخلوق بھی ہیں اس لئے دوسروں سے مغلوب ہوتے اور ظلم وستم سہتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی یہ بہادری کی بنا پر شیر ہوتے ہیں کبھی بزدلی اور مجبوری کی بنا پر بھیڑ ہوتے ہیں۔ الغرض عقل رکھنے کے باوجود انسان اس پست فکری پر اتر آئے تو یہ شرک کی غلاظت اور نحوست ہی تو ہے۔

۵۔ شرک اور اخلاقی گراوٹ: انسان کی پست فکری اس کے اخلاق کو بھی متاثر کرتی ہے۔ یہ دیوی دیوتے خوں خوار اور خوف ناک جنگیں لڑتے ہیں۔ یہ مصنوعی خدا دھوکہ دینے، جھوٹ بولنے پر بھی کبھی مجبور ہوتے ہیں۔ یہ مختار کل اور قادر مطلق سمجھے جاتے ہیں، لیکن جب یہ دوسروں کے ہاتھوں مغلوب ہوتے، قتل ہوتے، زہر کھاتے، مال و جائیداد، جاہ ومنصب سے محروم ہوتے دکھائی دیتے ہیں تو یہ بڑے خدا کی تقدیر پر راضی ہوتے ہیں۔ یہ خدا بسا اوقات تند خو بھی ہوتے ہیں چھوٹی چھوٹی بات پر آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ انسانوں کی طرح ان ہیں بھوک پیاس لگتی ہے۔ یہ جاگتے ہیں، سوتے ہیں، ہنستے ہیں اور روتے ہیں۔ ان کے بیوی بچے اور خاندانی جھگڑے بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کے اعزہ واقارب بھی ہوتے ہیں ان کی اولادیں بڑی حد تک مافوق البشر ہوتی ہیں اور یوں یہ معاشرے میں ذات پات اور اونچ نیچ کو بھی جنم دیتے ہیں۔ یہ خوشامد سے خوش ہوتے ہیں اور جذبہ انتقام سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ان کی رضامندی اور ان کے غصے کا کوئی متعین پیمانہ یا معیار نہیں ہے۔ یہ دوسرے مخلوق خداؤں کو نیچا دکھانے کے لئے تشدد، خون ریزی، دہشت انگیزی، طاقت اور مکر وفریب سے کام لیتے ہیں اس کے باوجود دوسرے خداؤں سے بل کہ عام مخلوق سے ان کو کبھی شکست بھی ہو جاتی ہے۔ غور کیجئے اس طرح کے مصنوعی خداؤں اور مافوق البشر

ہستیوں کی پرستش انسان کے اخلاق پر اچھا اثر ڈالے گی یا اسے شتر بے مہار بنائے گی؟

۶۔ تذلیل انسانیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا لیکن شرک کی نحوست سے وہ ارزل المخلوقات یعنی انتہائی گھٹیا مخلوق کی سطح پر اپنے آپ کو لے آتا ہے۔ یہ ساری کائنات انسان کی خدمت کے لئے بنائی گئی اور انسان کو اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا لیکن انسان اللہ کی عبادت کرنے کی بہ جائے کائنات اور اس کے خارجی مظاہر کی پوجا کرنے لگا۔ جو کائنات اس کی خادم تھی اس کے سامنے وہ سربہ سجود ہونے لگا۔ اس حد تک پستی پر اتر آیا کہ درختوں حشرات الارض اور شرم گاہ وغیرہ تک کی پوجا پاٹ پر اتر آیا۔ ملحدین اور دہریے بھی خدا کا انکار کر کے مخلوق پرستی کرتے ہیں جو مثلاً وطن پرستی، خاک پرستی، تلم پرستی، اکابر پرستی، حکام پرستی، مفاد پرستی اور نفس پرستی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

۷۔ مشرکانہ مذاہب میں مذہبی پیشوا: مشرکانہ نظام زندگی میں مذہبی پیش واؤں کو لازماً خوش رکھنا پڑتا ہے جب مشرکوں نے مخلوق کو خدا بنالیا تو مذہبی پیش واؤں کے خدا بننے میں کون سی رکاوٹ پیش آسکتی تھی۔ مثلاً عیسائیت کا نظام پاپائیت دیکھئے، رومن کیتھولک چرچ کے اس مذہبی نظام میں پوپ معصوم عن الخطاء ہے۔ خدا کا خود ساختہ نمائندہ ہے۔ عقیدت مند عیسائیوں کے گناہ جھاڑتا ہے۔ تحلیل وتحریم یعنی کسی چیز کو حلال وحرام قرار دینے کے خدائی اختیارات کا مالک ہے۔ چناں چہ قرون مظلمہ یا تاریک ادوار کے ان مذہبی پیش واؤں کی معصوم عن الخطاء ہونے کے دعوے کے باوجود ہر طرح کی فحاشی، جنسی بے راہ روی، لوگوں کے گناہ معاف کرنے کے نام پر نذرانوں کی وصولی، مخالفین پر مذہبی عدالتوں میں ظلم وتشدد، ان ہیں زندہ جلانا وغیرہ ظالمانہ وحشیانہ اور قبیح جرائم پاپائیت کی مکروہ تاریخ کا لازوال حصہ بن چکے ہیں۔ اس نظام پاپائیت کے خلاف خود عیسائیوں کو ایک طویل اور جان گسل جدوجہد سے گزرنا پڑا اور ردعمل کے طور پر پروٹسٹنٹ چرچ وجود میں آیا۔ یہ مذہبی پیشوا علوم وفنون کے دشمن ہوتے ہیں تاکہ یہ علوم وفنون ان کی مذہبی فرعونیت کے لئے مہلک ثابت نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام پاپائیت میں یورپ کے علمی ارتقاء کے دور میں نئے ابھرتے ہوئے سائنس دانوں اور دانش وروں پر جو مظالم ڈھائے گئے وہ ناقابل فراموش ہیں۔ ان نام نہاد معصوم مذہبی پیشواؤں کے خلاف آواز اٹھانا بے دینی اور الحاد قرار دیا جاتا تھا۔ اسی طرح ہندومت جیسے مشرکانہ مذہب ہی کو دیکھ لیجئے۔ مذہبی اجارہ داروں کے تحفظ اور ان کو خدائی کے مقام پر پہنچانے کے لئے ذات پات کا نظام مسلط کیا گیا جس میں برہمنوں (مذہبی پیش واؤں) کو سب سے اونچا اور اولیں مقام دیا گیا۔ شودروں کو ذلیل وخوار کیا گیا۔

۸۔ فکری وذہنی انتشار: شرک میں مبتلا شخص آخرت سے تو یوں غافل ہوجاتا ہے کہ وہ جو

چاہے کرے۔ یہ دیوی دیوتے، یہ انبیاء، یہ فرشتے، یہ اولیا، یہ جن بھوت، یہ اوتار، یہ بت ان نہیں چھڑا لیں گے۔ دنیوی زندگی میں مشرک جو ہر جانور، ہر درخت، ہر پتھر کو خدا سمجھ سکتا ہے تو وہ ان چھوٹے خداؤں کو اپنی قسمت کا مالک خیال کرتا ہے۔ ایسا انسان توہم پرستی، بزدلی اور خوف و ہراس کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے مشرک کی اس خوف و ہراس کی حالت کو یوں بیان کیا ہے سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَکُوا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا (۶۵/الف) ''ہم عن قریب کافروں کے دلوں میں خوف و ہراس ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری''۔ یعنی مسلمان اگر نام کے مسلمان نہ ہوں بل کہ توحید پر سختی سے قائم ہوں، اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہوں تو شرک کی نحوست سے کفار و مشرکین ان سے ہمیشہ مرعوب رہیں گے لیکن اگر بدقسمتی سے مسلمان خود ہی شرک میں مبتلا ہونے لگیں اور نام نہاد مسلمان رہ جائیں تو دشمن بھلا ان سے کیوں مرعوب ہوگا بل کہ یہ خود ان سے خوف زدہ اور مرعب ہوں گے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ غیر مسلموں کے لئے تو کفر و شرک منحوس ہو اور مسلمان کہلانے والوں کے لئے متبرک ہو جائے۔ الغرض مشرک پست ہمتی اور پست فکری کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ تو دنیا میں اس کا حال ہوتا ہے آخرت میں وہ مستقل ناامیدی، مایوسی اور حسرت کا شکار ہوگا۔ مثلاً سورہ حج میں مشرک کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ ''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندے اسے اچک لیں یا ہوا اسے کسی دور دراز جگہ پر جا پٹخے'' (۶۵/ب) یعنی مشرک اللہ کی خاص رحمت سے محروم ہو جاتا ہے گو دنیوی نعمتیں اسے عارضی سامان کے طور پر وافر مقدار میں ملتی رہیں۔ دہریے مادی وسائل پر بھروسہ رکھتے ہیں جب یہ وسائل جواب دے جائیں تو ان کی مایوسی بھی لائق عبرت ہوتی ہے۔

۹۔ **شرک اور کفر لازم و ملزوم**: جس طرح توحید اور اسلام و ایمان لازم و ملزوم ہیں اسی طرح شرک اور کفر بھی لازم و ملزوم ہیں یعنی ہر مشرک کافر ہے اور ہر کافر مشرک ہے گو وہ زبان سے توحید کا دعویٰ کرتا ہو حتیٰ کہ وہ زبان سے مسلمان ہونے کا مدعی ہو کیوں کہ شرک اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن تحقیق کے بغیر کسی مسلمان بھائی کو مشرک و کافر قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے۔ اگرچہ ہر کافر مشرک بھی ہے لیکن اسلامی اصطلاح میں مشرک عموماً بت پرستی اور مظاہر پرستی وغیرہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے، یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ **جہنم میں یقینی داخلہ**: چوں کہ شرک ظلم عظیم ہے اس لئے جس نے دنیا میں فکری و عملی طور پر شرک اپنایا، اس سے باز نہ آیا اور اسی پر اس کی موت واقع ہوگئی تو اس کی مغفرت نہ ہوگی اور وہ ہمیشہ جہنم

میں رہے گا۔ کسی بھی اچھے یا برے کام کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے، عقل ہرگز ضروری خیال نہیں کرتی کہ جزا اور سزا بھی اتنے ہی وقت کے لئے ہو۔ ورنہ مثلاً جیب تراش کو صرف چند لمحات کے لئے ہی قید میں رکھنا چاہئے جو اس نے جیب تراشی میں لگائے تھے۔ مزید برآں مشرک کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وہ جب تک اس دنیا میں زندہ رہے گا شرک کی صورت میں خدا سے اپنی بغاوت اور سرکشی پر بہر حال قائم رہے گا۔ دوام نیت کا تقاضا یہ ہے کہ جزا و سزا بھی ہمیشہ کی ہو۔ شرک کی سزا کے متعلق مثلاً سورہ مائدہ میں ہے۔ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ (۶۵/ج) ''بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''۔ سورہ نساء میں ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (۶۶/الف) ''بے شک اللہ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا وہ جسے چاہے بخش دے۔ اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو بے شک اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا'' یہاں بغیر توبہ کے معافی کی بات ہو رہی ہے کیوں کہ موت سے پہلے دنیوی زندگی میں توبہ سے شرک بھی معاف ہو جاتا ہے۔

د: بعض مزید توضیحات

ا۔ سلسلۂ اسباب: اللہ نے اس کائنات کو اسباب کا کارخانہ بنایا ہے۔ وہ ان اسباب کا خالق ہے اور ان ہیں موثر بھی وہی بناتا ہے وہ خود اسباب کا محتاج نہیں، مخلوق اسباب کے تابع ہے۔ یہ اسباب جلی بھی ہیں خفی بھی۔ جلی یعنی کھلے اور واضح اسباب کو لوگ آسانی سے پہچانتے ہیں مگر خفی یا پوشیدہ اسباب کو سب لوگ نہیں پہچانتے۔ مثلاً پیچیدہ سائنسی ایجادات کے اسباب عام لوگوں سے مخفی ہیں۔ شعبدہ بازی، سحر و نجوم، بعض عملیات سے جنات وغیرہ موکلوں کی تسخیر اور ان سے کام لینا ایسے امور کے اسباب خفی تو ہیں لیکن متعلقہ مخلوق کے اختیار اور تصرف سے باہر نہیں۔ یہ اسباب مادی اور حسی (حواس سے محسوس ہونے والے) بھی ہیں، معنوی اور عقلی بھی۔ بھوک مٹانے کے لئے غذا، پیاس بجھانے کے لئے پانی، مرض سے شفایابی کے لئے دوا مادی اور حسی اسباب کی مثالیں ہیں۔ عقل و ذہانت، یک سوئی اور توجہ کے ذریعہ ہپناٹزم (عمل تنویم) مسمریزم، ٹیلی پیتھی (دور دراز تک ظاہری ذرائع کے بغیر آواز اور پیغام پہچانا) عمل و ریاضت کے ذریعہ کشف و انکشاف وغیرہ عقلی و معنوی اسباب ہیں۔ یہ اسباب روحانی بھی ہیں۔ دعا، رقیہ (دم درود اور جھاڑ پھونک) کسی بزرگ کے تبرکات مثلاً اس کے پس خوردہ، لباس، بال اور ناخن وغیرہ کی

برکت، اس کی دعا، اس کے دم درود اور جھاڑ پھونک کی برکت، کسی جگہ اور وقت کی برکت مثلاً مسجد حرام اور مسجد نبوی کی برکت، ماہ رمضان اور یوم جمعہ وغیرہ کی برکت، کسی بزرگ کی وجہ سے کسی خاص مقام پر قبولیت دعا کی برکت یا نزول رحمت وغیرہ روحانی اسباب کی مثالیں ہیں۔ بہت سے اسباب تک رسائی آسان بھی ہوتی ہے اور مشکل بھی۔ مثلاً ہوا وفضا، پانی وغذا، دعا اور دوا وغیرہ ایسے اسباب ہیں جو کم وبیش ہر کسی کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ٹیلی پیتھی، مسمریزم، ہپناٹزم توجہ دے کر کسی کو متاثر کرنا، توجہ کے ذریعہ کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ سے متاثر ہونا جسے صوفیا حصول فیض سے تعبیر کرتے ہیں حال آں کہ جس سے ایسا فیض حاصل کیا ہے اسے اس کا علم ہونا بھی ضروری نہیں، وغیرہ تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ اسباب ذی حیات (جان دار) بھی ہو سکتے ہیں اور بے جان بھی۔ مثلاً ضرورت پڑنے پر مریض کے لئے طبیب، انصاف کے حصول کے لئے حاکم وقاضی، نادار ومفلس کے لئے فیاض مال دار اور غنی جان دار اسباب ہیں۔ بھوک مٹانے کے لئے غذا، پیاس بجھانے کے لئے پانی، مرض سے شفا کے لئے دوا، گرمی وسردی سے بچنے اور ستر پوشی کے لئے لباس وغیرہ بے جان اسباب ہیں۔ کچھ اسباب ایک مخلوق کی رسائی میں ہوتے ہیں لیکن دوسری مخلوق کی رسائی میں نہیں ہوتے، مثلاً جنات وشیاطین کی پرواز آسمانِ دنیا تک ممکن ہے وہ وہاں ملائکہ کی باتیں سننے کی کوشش میں جاتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتا ہے گو شہاب ثاقب کے اس کے علاوہ اور اسباب بھی ہوں، لیکن انسانوں کو عام اسباب کے تحت وہاں تک رسائی نہیں۔ ملائکہ کو جن بعض خاص امور پر اللہ تعالیٰ نے تصرف دیا ہے وہ جن وانس کو حاصل نہیں ہے۔ ملائکہ کے مقابل جن وانس کو جو اختیار اور تصرف اللہ تعالیٰ نے بعض امور میں دیا ہے وہ ملائکہ کے تصرف سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ جن وانس اپنے اس عطائی اختیار کو اپنی مرضی اور خواہش سے جائز وناجائز جب چاہیں اور جہاں چاہیں اکثر وبیشتر اور کم وبیش استعمال کر سکتے ہیں۔ اختیارات کا یہ جائز وناجائز استعمال دینی اصطلاح میں کسب واکتساب کہلاتا ہے جس پر جن وانس ثواب وعذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں لیکن ملائکہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مادہ رکھا ہی نہیں گیا ہے وہ اپنی مرضی اور خواہش سے کچھ نہیں کرتے بل کہ وہی کرتے ہیں جس کا ان ہیں حکم دیا جاتا ہے۔

۲۔ امور عادیہ وغیر عادیہ: جو امور اور اسباب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اختیار میں رکھے ہیں ان ہیں اختیاری امور، ماتحت الاسباب امور یا امور عادیہ (Habitual Affairs) کہا جاتا ہے۔ جو امور اور اسباب مخلوق کے اختیار میں قطعاً رکھے ہی نہیں گئے ان ہیں غیر اختیاری امور، مافوق الاسباب امور یا امور غیر عادیہ (Non- Habitual Affairs) کہا جاتا ہے۔ جس سے مدد حاصل کی جائے

اسے عربی زبان میں مستعان کہتے ہیں۔ چوں کہ اسباب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ان میں موثر بناتا ہے اس لئے ان اختیاری اسباب کے تحت مخلوق سے جو مدد حاصل کی جاتی ہے تو مخلوق کو غیر مستقل مستعان اور مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کو مستقل مستعان کہا جاتا ہے۔ اہل حق علماء کے صحیح عقائد کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہوتے اس لئے ان میں سے اگر کسی نے کبھی یہ بتایا ہو یا لکھا ہو کہ مخلوق کو غیر مستقل مستعان جانتے ہوئے اس سے استعانت شرک نہیں تو لازماً اس سے ماتحت الاسباب امور میں ہی استعانت مراد ہوتی ہے۔ مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت مثلاً کسی سے اولاد بیٹا یا بیٹی مانگنا، صحت مانگنا، لمبی عمر مانگنا، بارش مانگنا، رزق میں برکت مانگنا، کسی کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے کہ اسے ہمارے ہر حال کی خبر اور اس پر ان کی نظر ہے، وہ دور و نزدیک سے یکساں سنتا اور دیکھتا ہے، اسے اپنی حاجتوں میں پکارنا اور مدد چاہنا، کسی مخلوق کو شارع اور قانون ساز سمجھ کو اس سے دینی رہنمائی طلب کرنا جیسے عیسائی اپنے مذہبی پیشواؤں اور پاپاؤں سے کرتے ہیں وغیرہ سب شرک ہے۔ یہ استعانت خلاف عقل بھی ہے کیوں کہ جب کوئی شخص کسی مخلوق سے مافوق الاسباب امور میں مدد طلب کرے گا تو اسے مختار کل یا مختار بعض سمجھ کر کرے گا۔ اگر وہ مثلاً زید عمرو اور بکر تینوں کو مختار کل قرار دیتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قضائے حوائج کے لئے ایک ہی مختار کل کافی تھا تو ایک سے زائد مختاران کُل کیا عبث قرار نہ پائیں گے؟ اگر کہا جائے کہ ایک مختار کل کبھی تھکا ماندہ ہوتا ہے، آرام کر رہا یا سو رہا ہوتا ہے اس لئے زیادہ مختاران کل کی ضرورت ہے تو یہ مضحکہ خیز مفروضہ اس لئے باطل ہے کہ جسے کلی اختیار حاصل ہوگا۔ تھکاوٹ نیند اور کسی بھی رکاوٹ پر قابو پانے میں بھی وہ مختار ہوگا۔ اب اگر صرف زید کو مختار کل قرار دیا جائے تو بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مختار کل ہے نہ وہ تھکتا ہے، نہ اسے اونگھ یا نیند آتی ہے، نہ اس پر اسے مختلف زبانوں میں ایک ہی وقت میں پکارنے والوں کی آوازیں مختلط ہوتی ہیں، نہ اس پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے اور نہ اسے موت لاحق ہوتی ہے، وہ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور ذرہ ذرہ سے باخبر رب العالمین ہے تو کیا زید کا مختار کل بنایا جانا عبث اور بے مقصد نہ ہوا؟ پس مختار کل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مافوق الدساب انور میں اسی سے دعا اور استعانت مطلوب ہے۔ اگر مخلوق کو مختار بعض قرار دیا جائے کہ کچھ اختیارات زید کو حاصل ہیں کہ وہ مثلاً بیٹے دیتا ہے، کچھ عمرو کو حاصل ہیں کہ وہ مثلاً بیٹیاں دیتا ہے اور کچھ عمرو کو حاصل ہیں کہ وہ مثلاً بارش برساتا ہے، وغیرہ تو اختیارات کی اس تقسیم پر کوئی قطعی اور یقینی دلیل مطلوب ہے۔ عقل کے فیصلے میں یقیناً خطا کا احتمال موجود ہے۔ ادھر اللہ اور اس کے رسولؐ نے مافوق الاسباب امور میں ہرگز ایسی کسی تقسیم کار کی نشان دہی نہیں فرمائی۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے زید سے بیٹا مانگا تو مجھے واقعی مل گیا تو یہ شیطانی فریب ہے۔ اگر کوئی کسی

نبی، ولی، بزرگ یا جن وغیرہ کی بہ جائے (معاذ اللہ) مثلاً کسی گھوڑے خچر یا شجر وحجر کو پکار کر بیٹا طلب کرے تو جو بیٹا اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے پھر بھی مل کر رہے گا لیکن وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ مجھے یہ بیٹا گھوڑے خچر یا شجر وحجر نے دیا ہے۔ ماتحت الاسباب امور میں استعانت کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ زید اگر مثلاً اپنی بیماری کے لئے کسی طبیب سے دوا لیتا ہے تو اس لئے لیتا ہے کہ دیگر اطبا اور معالجین کی نسبت اسے اس پر زیادہ اطمینان ہے یا دوسرے معالجین تک کسی بھی وجہ سے اس کی رسائی ممکن نہیں۔ ایک معالج ایک وقت میں مریضوں کو دیکھتا ہے دوسرا معالج دوسرے وقت میں۔ یا ایک معالج کے پاس مریضوں کی بھرمار ہے تو زید نے دوسرے معالج کا رخ کرلیا۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی معالج دنیا بھر کے مریضوں کا تو کیا علاج کرے گا وہ بسا اوقات اپنے علاقے کے سارے مریضوں کو نہیں دیکھ پاتا۔ اس لئے معالج کا بل کہ ہر مخلوق کا اپنے دائرے میں اختیار ہمیشہ محدود ہوگا اور یہ امر کہ کس معالج کا یہ اختیار کس حد تک ہے اس کا علم اکثر وبیشتر مریض اور معالج دونوں کو ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت کے مطابق لوگوں کے لئے ایک سے زیادہ معالجین کا ہونا ناگزیر ہے۔ پ ماتحت الاسباب امور میں مخلوق کو غیر مستقل مستعان سمجھتے ہوئے استعانت درست ہے لیکن مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت بہر حال شرک ہے۔

اگرچہ مخلوق کو غیر مستقل مستعان سمجھا جائے کہ اس کے اختیارات از خود اور ذاتی نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی ہیں یا مخلوق کو مستقل مستعان سمجھا جائے کہ اس کے اختیارات عطائی نہیں بل کہ ذاتی ہیں۔ یہاں خارجی حقیقت یہ ہے کہ جو مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہوا اور وہ اسے ہر چیز کا خالق بھی مانتا ہو جیسے قرآن کریم کے اولین مخاطب مشرکین عرب کا حال تھا تو ایسا مشرک کبھی بھی مخلوق کو مستقل مستعان نہیں قرار دے گا وہ کبھی یہ نہیں کہے گا کہ مخلوق کا کوئی بھی وصف یا اختیار ذاتی ہے بل کہ وہ یہی کہے گا کہ یہ اس مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود وہ مشرک اس لئے ہے کہ مثلاً اولاد بیٹا یا بیٹی دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر مشرک یہی صفت مخلوق میں بھی (گو عطائی طور پر ہی سہی) مانتا ہے۔ یوں وہ شرک فی الصفات کا مرتکب ہے۔ جہاں تک شرک فی الذات کا تعلق ہے کہ مشرک ایک سے زائد واجب الوجود خداؤں کا قائل ہو جیسے نصاریٰ تین خداؤں کے اور مجوسی دو خداؤں کے قائل ہیں تو عرب کے بت پرست اور ملائکہ وجنات پرست مشرکین اس شرک میں مبتلا نہیں تھے۔ وہ بتوں، ملائکہ اور جنات وغیرہ کو واجب الوجود اور مستقل خدا سمجھ کر نہیں پکارتے تھے بل کہ وہ ان ہیں مخلوق ہی سمجھتے تھے اور مافوق الاسباب امور میں ان کے اختیارات کو عطائی مانتے تھے۔ مخلوق کے اختیارات کو ذاتی قرار دینے والے تو صرف دہریے ہی ہو سکتے ہیں جو کسی خالق کے قائل ہی نہیں یا ایک سے زائد واجب الوجود

خداؤں کے قائل ہر خدا کے اختیارات کو ذاتی قرار دیں گے۔ بل کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا قرار دیتے ہوئے ان ہیں واجب الوجود اور قدیم مانتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے اختیارات کو عطائی ہی قرار دیتے ہیں، چناں چہ مثلاً انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ہے ''یسوع نے پاس آ کر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے'' (۶۶/ ب)۔ یہاں یہ شبہ درست نہیں کہ مشرکین عرب اپنے معبودوں کے اختیارات کو عطائی سمجھنے کی وجہ سے یا ان کو اپنی ضرورتوں میں پکارنے کی وجہ سے مشرک نہیں تھے بل کہ اس لئے مشرک تھے کہ وہ ان بے جان معبودوں مثلاً بتوں کی یا جان دار معبودوں مثلاً ملائکہ و جنات وغیرہ کی عبادت کرتے تھے اس طرح کہ وہ ان ہیں سجدہ کرتے تھے اور ان کے نام کی قربانیاں کرتے تھے۔ اگر وہ ان کو غیر مستقل سمجھتے ہوئے صرف استعانت کے لئے اور وہ بھی جان دار مخلوق کو پکارا کرتے تو شرک نہ ہوتا۔ اس غلط مفروضے کی بھرپور تردید قرآن کریم سے ہو رہی ہے مثلاً سورہ فاطر میں ہے: وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِن دُونِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِن قِطْمِيْرٍ ۝ إِن تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (۶۶/ ج) ''اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم ان ہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر جائیں گے اور جو باتیں تجھے باخبر (اللہ تعالیٰ) بتاتا ہے کوئی اور نہیں بتائے گا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں دعا بہ معنی پکارنا کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے، کیوں کہ اس کے مقابل مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے کے کلمات لائے گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہرگز اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں نے کسی کو یہ تعلیم نہیں دی کہ اپنی مصیبتوں اور ضرورتوں میں کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ، کسی نبی، کسی ولی، کسی فرشتے، کسی جن یا بے جان بتوں مورتیوں اور شجر و حجر وغیرہ کو پکارا کرو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں یا کسی کے بھی متعلق یہ عقیدہ باطل ہے کہ وہ دور و نزدیک ہر جگہ سے سنتے اور ہر کسی کو دیکھتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف بے جان چیزوں کو ہی مافوق الاسباب امور میں پکارنا شرک نہیں ہے بل کہ جان دار مخلوق انبیا، ملائکہ، اولیاء وغیرہ کو بھی پکارنا شرک ہے تب ہی تو وہ قیامت کے دن مشرکین کے شرک کا انکار کریں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے دعا اور استعانت عبادت ہی کی ایک صورت ہے اور چوں کہ غیر اللہ یعنی مخلوق کی عبادت شرک ہے اس لئے مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے دعا اور استعانت کو شرک کہا گیا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اور اذکار قرآن و سنت میں موجود ہیں انہوں نے کبھی بھی

مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت نہیں کی اور ان ہی کی اتباع میں خیر ہے۔

۳۔عبادت واستعانت کا باہم تعلق: دو یا دو سے زائد چیزوں کو اگر یک جا بیان کیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کی نوعیت اور متعلقہ احکام بھی یک ساں ہوں۔ مثلاً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' میں نماز اور زکوٰۃ کو یک جا بیان کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز اور زکوٰۃ کی نوعیت اور ان کے متعلقہ احکام یک ساں ہیں۔ لیکن کلام میں دو چیزوں کو یک جا بیان کرنا ہے۔ مقصد بھی نہیں ہوا کرتا۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ کو یک جا اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ نماز حقوق اللہ کی اور زکوٰۃ حقوق العباد کی اصل اور بنیاد ہے۔ زکوٰۃ کے بعد رکوع کا ذکر اس لئے ہے کہ مردوں کے لئے نماز باجماعت مقصود ہے۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس نے پوری رکعت کے قیام کو پالیا۔ اگر سجدے یا قعدے میں شامل ہوا ہو تو اسے رکعت پانے والا نہیں سمجھا جائے گا بل کہ یہ اسے بعد میں پوری کرنی ہوگی، اس لئے یہاں سجدے یا قعدے کی بہ جائے رکوع کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے نماز کے ساتھ ملحق کرنے کی بہ جائے زکوٰۃ کے بعد اس لئے لایا گیا ہے تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر صرف حقوق اللہ کی ادائیگی ہی کافی نہیں ہے۔ الغرض عام کلام میں عموماً اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں خصوصاً کلام کی ترتیب معنی خیز اور بامقصد ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ کسی چیز کی حکمت ہم سمجھ نہ پائے ہوں لیکن کسی چیز کا معلوم نہ ہونا یا اسے سمجھ نہ پانا اس چیز کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ سورہ فاتحہ میں ایاك نعبدو ایاك نستعین کو یک جا لاکر نعبد اور نستعین دونوں سے پہلے ضمیر حصر ایاک لائی گئی ہے، تا کہ لوگوں پر یہ واضح ہو سکے کہ عبادت بھی صرف اللہ ہی کی کی جائے اور مدد بھی صرف اسی سے مانگی جائے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اسباب اور مسببات Causes and Effects کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اسی نے ان اسباب میں تاثیر پیدا کی ہے اور جو کچھ بھی ہے اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ پس جان دار اور بے جان اسباب بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے والے اور مدد حاصل کرنے والے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ ''اللہ وہ ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے تمہارے لئے (یعنی تمہارے فائدے کے لئے) پیدا کیا ہے''۔ (۲۹/الف) ماتحت الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے اسباب کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے، جس کا خود اس نے مخلوق کو حکم دے رکھا ہے۔ پس اس سے ایاک نستعین کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی اطاعت کا لوگوں کو حکم دے رکھا ہے تو

پیغمبر کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۶۷/ب) ''تو جس شخص نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ جس طرح پیغمبر کی اطاعت پیغمبر کی عبادت نہیں اسی طرح ماتحت الاسباب امور میں مخلوق سے (شرعی حدود کے اندر جائز) استعانت بھی مخلوق کی عبادت نہیں لہٰذا یہ شرک نہیں اور اس سے ایاک نعبد کی بھی خلاف ورزی نہیں ہوتی، البتہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مخلوق کی عبادت کا حکم کبھی نہیں دیا اور کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ مخلوق کی عبادت کو کسی بھی تاویل سے اللہ کی عبادت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ماتوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت کا کبھی بھی حکم یا اس کی اجازت نہیں دی کیوں کہ ایسی استعانت بھی عبادت ہی کی ایک صورت ہے اور مخلوق سے ایسی استعانت کو کسی بھی صورت میں اللہ تعالیٰ سے استعانت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر مظہر عون الٰہی کی آڑ میں مخلوق سے مافوق الاسباب امور میں استعانت کا جواز تراشا جائے اور اسے اللہ ہی سے استعانت قرار دیا جائے تو مظہر تقرب الٰہی کی آڑ میں مخلوق کی عبادت کو بھی (معاذ اللہ) اللہ کی عبادت قرار دینا ہوگا، حال آں کہ یہ باطل ہے اسی لئے سورہ فاتحہ میں ''نعبد'' اور ''نستعین'' دونوں سے پہلے ضمیر حصر ایاک لائی گئی ہے۔ عبادت کے ساتھ استعانت کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ استعانت کی کچھ صورتیں ضرور عبادت میں داخل ہیں اسی لئے ''نستعین'' سے پہلے بھی کلمہ حصر لایا گیا ہے۔ اب دیکھئے کہ ماتحت الاسباب امور میں استعانت تو خود حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی مخلوق سے طلب کی ہے، مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے پوچھا کہ اللہ کی خاطر میری مدد کون کریں گے تو حواریوں نے جواب میں مدد کا وعدہ کیا۔ (۶۷/ج) پس اس صورت کے علاوہ مخلوق سے استعانت کی دوسری صورتیں کہ مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت کی جائے خواہ مخلوق کو مستقل مستعان سمجھا جائے خواہ غیر مستقل مستعان قرار دیا جائے ایسی استعانت دراصل مخلوق کی عبادت ہے اور غیر اللہ یعنی مخلوق کی عبادت شرک ہے۔ اسی طرح ماتحت الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت جب کہ مخلوق کو مستقل مستعان سمجھا جائے تو یہ بھی مخلوق ہی کی عبادت میں داخل ہو کر شرک مقصود ہوگی گو یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ خدا کو خالق و مالک ماننے والے مشرکین شرک فی الصفات کی اس صورت میں مخلوق کو مستقل مستعان قرار دیتے ہوں یا یہ دعویٰ کرتے ہوں کہ مخلوق کے اوصاف اور اختیارات ذاتی ہیں اور اللہ کے عطا کئے ہوئے نہیں ہیں۔ پس مخلوق سے ہر استعانت گو عبادت نہیں لیکن مخلوق سے استعانت کی مذکورہ دونوں صورتیں عبادت میں داخل ہیں جیسے مخلوق کی ہر اطاعت عبادت نہیں لیکن اطاعت کی بعض صورتیں عبادت میں داخل ہیں، چناں چہ جن وانس جب غیر اللہ یعنی مخلوق کی عبادت کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ شیطان

کی اطاعت واتباع میں ہی ایسا کرتے ہیں۔شیاطین الانس والجن یعنی انسانی اور جناتی شیاطین لوگوں کو شرک کی دعوت دیتے اور مشرکین ان کی اطاعت کرتے ہیں، چناں چہ مثلاً ملائکہ پرستی کرنے والوں کے متعلق سورہ سبا میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ مشرکین تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تُو ہی ہے نہ کہ یہ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ٥ (۶۸/الف) ''بل کہ یہ لوگ جنوں (یعنی شیاطین) کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا ان ہی پر ایمان تھا'' فرشتے یہ ظاہر کریں گے کہ ان مشرکین نے شیاطین کے کہنے پر ہماری عبادت کی اس لئے انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی بل کہ شیاطین کا کہا مان کر اور ان کی اطاعت کرکے دراصل ان ہی کی عبادت کی ہے۔اسی لئے عبادت کا لفظ اطاعت کے معنی میں بھی مستعمل ہے خواہ شیاطین کی مشرکین کی طرف سے اطاعت شعوری ہو یا غیر شعوری ہو، مشرکین بھی دنیا میں بہ ظاہر شیطان کو برا بھلا کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی اطاعت کرکے جب شرک میں مبتلا ہو کر انبیاء، اولیاء، ملائکہ، بتوں مورتیوں یا کسی بھی چیز کی عبادت کرتے ہیں یا ان ہیں عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار و متصرف سمجھ کو مافوق الاسباب امور میں ان ہیں پکارتے اور ان سے استعانت کرتے ہیں تو وہ اصل میں شیطان کی عبادت بہ معنیٰ اطاعت یا اطاعت بہ معنیٰ عبادت کررہے ہوتے ہیں۔سورہ یاسین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرک انسانوں سے پوچھے گا کہ اے بنی آدم! کیا میں نے (اپنے رسولوں کے ذریعے) تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (۶۸/ب) ''کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا'' عبادت واطاعت کے اس باہم تعلق کو پہچاننا آسان ہے لیکن عبادت اور جائز و ناجائز استعانت کے باہم تعلق کو پہچاننا آسان نہیں۔ یہاں شیطان عام لوگوں کو تو کیا بڑے بڑے ذہین و فطین لوگوں کو بھی مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت پر راغب کرکے ان ہیں اللہ کے ساتھ شرک کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔اسی لئے سورہ فاتحہ میں ''ایاک نعبد'' کے بعد ''ایاک نستعین'' لایا گیا تا کہ ہر نماز پڑھنے والا خوب سوچ سمجھ لے کہ کہیں وہ (شیطان کے فریب میں آکر) اللہ تعالیٰ سے نماز کی ہر رکعت میں کئے گئے اس وعدے کو نماز کے بعد توڑ تو نہیں رہا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں؟

۴۔غیب کلی و جزئی کی اصطلاح پر ایک نظر: اللہ تعالیٰ کی صفات چوں کہ مخلوق میں ہوتی ہی نہیں بل کہ مخلوق کو صفات مخلوق کی اپنی حیثیت اور مرتبے کے مطابق عطا کی جاتی ہیں اس لئے مخلوق کے لئے خدائی صفات تمام امور میں یا بعض میں، ہر جگہ یا کسی خاص مقام پر، ہر وقت اور ہر زمانے کے لئے یا کسی خاص وقت کے لئے، انسان کے لئے یا کسی اور مخلوق کے لئے مانی جائیں تو بہ ہر صورت شرک لازم

آئے گا۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں صرف آندھی چلا سکتا ہے، فلاں صرف بارش برساتا ہے، فلاں صرف بیٹے دیتا ہے، فلاں صرف بیٹیاں دیتا ہے، فلاں صرف حیوانات کو یا صرف فلاں جاندار کو پیدا کرتا ہے، فلاں صرف نباتات کو یا فلاں پودے کو اگاتا اور پیدا کرتا ہے، فلاں اگر فلاں جگہ ہو تو دور و نزدیک سے ہر کسی کی آواز میں لیتا ہے، فلاں صرف فلاں جگہ یا فلاں وقت حاضر و ناظر ہوتا ہے، فلاں کو صرف مردوں، فلاں کو صرف عورتوں، فلاں کو صرف بچوں اور فلاں کو دوسروں کے متعلق نہیں بل کہ صرف اور صرف اپنے متعلق غیب کا تفصیلی اور محیط علم حاصل ہے وغیرہ وغیرہ تو اس طرح کے سب اقوال اور خیالات شرک ہی میں داخل ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے مذہبی پیش واؤں اور پاپاؤں کو تکوینی اختیارات حاصل نہیں ہیں بل کہ صرف تشریعی اختیارات ان کو دیئے گئے ہیں کہ دین کے متعلق وہ جو بھی بات اپنی مرضی اور اپنی خواہش سے کہتے ہیں تو وہ خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے کیوں کہ یہ مذہبی پیشوا خدا کے نمائندے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی کو کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے ماسوا رب بنا رکھا ہے۔ (۶۸/ج) پس غیب کلی اور غیب جزئی کی اصطلاحات اور تراکیب میں ''کلی اور جزئی'' کے کلمات سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ عام لسانی محاورات میں غیب کے ساتھ لفظ ''کلی'' کو اس لئے لگایا جاتا ہے کہ جو لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام وسید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بل کہ اولیا تک کے لئے غیب کا علم ثابت کرتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے لے کر قیامت کے دن تک کی درمیانی مدت کے ذرے ذرے ہر ہر چیز، ہر ہر بات، ہر ہر منظر، ماضی حال اور مستقبل پر محیط ہر شے پر انبیاء اور اولیا مطلع، باخبر اور حاضر و ناظر ہوتے ہیں وہ پیغمبر اور ولی کو ''عالم جمیع ما کان وما یکون'' (جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا سب کا سب جاننے والا) کہتے ہیں اسی کو غیب کلی کا علم قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے اور قیامت کے بعد کے ادوار کا انبیاء اور اولیا کو تفصیلی علم حاصل نہیں ہے، لہٰذا جب ہم بھی غیب کلی کے علم کے قائل نہیں بل کہ انبیاء اور اولیا کے لئے غیب جزئی ہی کے علم کے قائل ہیں تو یہ شرک کیسے ہوا؟ یوں وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ مخلوق کے لئے تفصیلی اور محیط غیب کا وہ جزئی علم بھی تسلیم کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے تو یہ بھی افترا علی اللہ ہونے کی وجہ سے شرک فی الصفات میں داخل ہے۔ اسی طرح مخلوق کے لئے اختیار کلی یا ایسا اختیار جزئی ثابت کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہی نہیں شرک فی الصفات میں داخل ہے۔ جیسے عیسائی اپنے پاپاؤں کے لئے صرف تشریعی اختیار کے قائل ہیں ومن یشرك باللہ فقدرا افتریٰ اثماً عظیماً (۸۶/د) ''اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس نے بہت بڑے گناہ والا بہتان باندھا''۔

شرک افتراء علی اللہ یوں ہے کہ مثلاً ایک شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بزرگ کو اولاد دینے کا اختیار سونپ رکھا ہے حالاں کہ اللہ نے یہ اختیار کسی کو دیا ہی نہیں تو ایسا شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

فتنۂ قادیانیت تشقیقِ جدلی کی زد میں

تمہیدی سطور

قادیانیت پر زیرِ نظر مباحث میں ہم نے ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ مؤلفہ ومرتبہ پروفیسر محمد الیاس برنی'' اور ''ردّ قادیانیت کے زریں اصول مصنفہ مولانا منظور احمد چنیوٹی'' اور بعض دیگر متعلقہ کتب اور جرائد ورسائل سے استفادہ کیا ہے۔ حوالہ جات میں بھی زیادہ تر ان ہی کتب پر اعتماد کیا گیا ہے اور بیشتر صورتوں میں اصل قادیانی کتب اور ماخذ سے ان کا تقابل کر کے ان ہیں درست پایا ہے۔ کہیں کہیں بعض صفحات کی معمولی تقدیم وتاخیر ہے۔ ردّ قادیانیت کے تمام ضروری مواد کو ان مباحث میں نئی عنوان بندی اور ترتیب سے سمو دیا گیا ہے اور اسے مزید جامع اور مفید بنانے کے لئے بہت سے نئے نکات اور مضامین کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ خصوصاً اجتہادی غلطی، نسخ، متشابہات وغیرہ اصطلاحات کی آڑ میں قادیانیوں نے جو مغالطے دینے کی کوشش کی ہے، اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ آداب تبلیغ کے تحت قادیانی حضرات کی دل جوئی کے لئے ہم نے قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۹۔۱۹۰۸ء) کے لئے احتراماً جمع تعظیم کے کلمات ہی استعمال کئے ہیں۔ مرزا صاحب تحریر میں اپنی لفاظی اور شوخیِ قلم کو بہ زعمِ خویش معجزانہ فصاحت و بلاغت قرار دیا کرتے تھے اور ان کے عقیدت مند ان ہیں فرطِ عقیدت ومحبت سے سلطان القلم سمجھتے ہیں لیکن بدقسمتی سے مرزا صاحب نے تحریر میں اپنی لفاظی، سلاست وروانی اور شوخیِ قلم سے جن اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ کو اپنے اوپر ٹھیک ٹھیک چسپاں کر لیا ہے، اس سے وہ اپنے ہی قلم سے سلطان القلم تو کیا ہوتے الٹا اسیر القلم یعنی اپنے ہی قلم کے قیدی قرار پاتے ہیں۔ اس سلسلے میں نہ تو ہم مرزا صاحب کی کوئی مدد کر سکتے ہیں، نہ ہی ان کا کوئی بڑے سے بڑا عقیدت مند ان ہیں ذلت ورسوائی سے بچا سکتا ہے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ عقل ودانش اور عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان امور کو مناسب مقام پر ضرور بیان کیا جائے تاکہ حق وباطل کے امتیاز میں عام قارئین کو عموماً اور قادیانی حضرات کو خصوصاً قطعاً کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ہمارا کام تو حقائق ثابتہ کو ناقابلِ تردید انداز میں موافقین ومخالفین کے سامنے دیانت داری سے رکھ دینا ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ (۸/الف)'' تاکہ

جو ہلاک ہو (وہ اپنی گم راہی کا یقین حاصل کر لینے کے بعد) دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ حق کو پہچان کر اور اسے تسلیم وقبول کر کے دلیل پر زندہ رہے''۔ مرزا صاحب کی کتب سے بہ طور حوالہ اقتباسات نقل کرتے ہوئے ہم نے متعلقہ کتاب کے سامنے بین القوسین اس کا سال طباعت واشاعت لکھ دیا ہے تاکہ مرزا صاحب کے بہ تدریج فکری زوال وانحطاط اور نظری اشتباہ وانتشار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے رہے۔ قادیانیت پر یہ مباحث قرآن کریم کے اعجاز کو حیرت انگیز طریقے سے ثابت کر رہے ہیں اور قرآن کریم کے اس دعوے کی بھرپور توثیق کر رہے ہیں کہ باطل کا گزر نہ اس کتاب کے سامنے سے ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے ممکن ہے۔ (ا/ب) وباللہ التوفیق۔

پہلا حصہ: مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے ہی قلم سے اپنے مشرک عظیم، کذّاب اور مفتری ہونے کے مباحث

ا۔ الف: بہ حوالہ شرکِ عظیم: کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ہی قلم سے اپنے آپ کو ''مشرک عظیم'' قرار دیا ہے یا نہیں؟ اگر قرار دیا ہے تو ایسا شخص مجدّد، مُلہَم ومُحدَّث (الہام یافتہ) اور اس سے بھی آگے بڑھ کر نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب نے خود کو ''مشرکِ عظیم'' نہیں ٹھہرایا ہے تو یہ قول درج ذیل نکات کی بنا پر یک سر مردود ہے:

ا۔ پوری امت مسلمہ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے بد بخت یہودیوں کے ناپاک قاتلانہ منصوبوں سے محفوظ ومامون فرما کر معجزانہ طور پر آسمان پر زندہ اٹھالیا تھا۔ یہودی آپ کو مقتول ومصلوب کرنے کے اپنے خبیث عزائم میں ہرگز کام یاب نہ ہو سکے بل کہ خائب و خاسر ہوئے۔ قیامت کے قریب آپ کا آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مینار پر نزول ہوگا۔ اس وقت یہودیوں میں دجالِ اکبر کا ظہور ہو چکا ہوگا جس نے اپنے خدائی کے دعوے سے زمین میں عظیم ترین فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہوگا۔ دجال کا لقب بھی مسیح ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نزول کے بعد دجال کو قتل کریں گے۔ یہودی مقتول ومخذول ہوں گے۔ عیسائیوں کی صلیب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے یعنی خنزیر خوری بند کریں گے۔ اللہ کا سچا دین اسلام شریعت محمدیہ علیٰ صاحبا الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں پوری دنیا میں پھیل جائے گا، لہٰذا جہاد موقوف ہو جائے گا۔ آسمان پر حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور پھر قیامت کے قریب زمین پر آپ کے نزول اور دیگر تمام متعلقہ امور کے مرزا غلام احمد قادیانی بھی سال ہا سال تک بھرپور قائل رہے۔ قرآن کریم میں ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین

الحق لینظھرہ علی الدین کلہ (۱/ج) وہ (اللہ ہی) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے''۔ اس آیت سے مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے نزول پر استدلال کرتے ہوئے اپنی اولیں کتاب براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں لکھا ہے ''یہ آیت جسمانی اور سیاستِ ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبۂ کامل دین اسلام کا وعدہ کیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے ذریعے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا''۔ (۲/الف) سورۂ بنی اسرائیل میں ہے عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا ''بہت ممکن ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے''۔ (۲/ب) اس قرآنی آیت کو مرزا صاحب اپنے الہامات میں شامل کرتے ہوئے اسی براہینِ احمدیہ میں لکھتے ہیں۔ ''یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح علیہ السلام کے جلالی طور پر ظاہر ہونے کا اشارہ ہے یعنی اگر طریقِ رفق اور نرمی اور لطف واحسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات بینہ سے کھل گیا ہے، اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لئے شدت اور غضب اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس وخاشاک سے صاف کر دیں گے''۔ (۲/ج) نیز اسی براہین احمدیہ میں مرزا صاحب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ سماوی (آسمان پر زندہ اٹھائے جانے) کو یوں تسلیم کرتے ہیں ''سو حضرت مسیح علیہ السلام تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے'' (۳/الف) جب مرزا صاحب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر ہونا تسلیم کر رہے ہیں اور ان کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کے بھی قائل ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی دوبارہ تشریف آوری آسمان سے زمین پر نزول ہی کی صورت میں ہوگی چناں چہ وہ اپنی کتاب ازالۂ اوہام (۱۸۹۱ء) میں لکھتے ہیں۔ ''مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب آسمان سے نازل ہوں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا''۔ (۳/ب) اپنی کتاب آئینۂ کمالات اسلام (۱۸۹۳ء) میں مرزا صاحب نے لکھا ہے ''الا یعلمون ان المسیح ینزل من السماء بجمیع علومہ ولا یاخذ شیئاً من الارض مالھم یشعرون'' کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ مسیح علیہ السلام آسمان سے اپنے سارے علوم کے ساتھ آئیں گے اور زمین سے کچھ حاصل نہیں کریں گے۔ ان ہیں کیا ہوا کہ وہ سمجھتے نہیں'' (۳/ج) اپنی کتاب توضیح المرام (۱۸۹۰۔۱۸۹۱ء) میں وہ لکھتے ہیں ''اب پہلے ہم صفائی بیان کے لئے یہ

لکھنا چاہتے ہیں کہ بائبل اور ہماری احادیث اور اخبار کی کتابوں کی رو سے جن نبیوں کا اسی وجودِ عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا تصور کیا گیا ہے وہ دو نبی ہیں۔ ایک یوحنا جس کا نام ایلیاہ اور ادریس بھی ہے، دوسرے مسیح ابن مریم جن کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں نبیوں کی نسبت عہدِ قدیم اور جدید کے بعض صحیفے بیان کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور پھر کسی زمانے میں زمین پر اتریں گے اور تم ان کو آسمان سے آتے دیکھو گے۔ ان ہی کتابوں سے کسی قدر ملتے جلتے الفاظ احادیث نبوی میں بھی پائے جاتے ہیں''۔ (۴/ الف) ازالۂ اوہام (۱۸۹۱ء) میں مرزا صاحب نے لکھا ہے ''مسیح ابن مریم علیہ السلام کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجے کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گویاں کی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی۔ تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے''۔ (۴/ ب)

۲۔ الغرض مرزا غلام احمد قادیانی سال ہا سال تک حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر قائم رہے اور وہ اس کا کھلا اعتراف اپنی کتاب اعجاز احمدی (۱۹۰۲ء) میں یوں کرتے ہیں۔ ''پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانۂ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے براہین (احمدیہ) میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے رسمی عقیدے پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آ گیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے''۔ (۴/ ج) مرزا صاحب نے یہاں کھلا جھوٹ لکھا ہے کہ وہ صرف تقریباً بارہ برس تک یعنی براہینِ احمدیہ کی اشاعت اول کے سال ۱۸۸۰ء سے لے کر (۱۸۸۰+۱۲) = ۱۸۹۲ء تک اس عقیدے پر قائم تھے، کیوں کہ مرزا صاحب اپنے سالِ ولادت کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترہویں برس میں تھا''۔ (۵/ الف) اپنی اولاد کے متعلق مرزا صاحب کا بیان ہے ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے کبھی اولاد کی خواہش نہیں ہوئی تھی، حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے پندرہ یا سولہ برس کی عمر کے درمیان ہی اولاد دے دی تھی۔ یہ سلطان احمد اور فضل احمد تقریباً اسی عمر میں پیدا ہو گئے تھے''۔ (۵/ ب) اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب ۱۸۵۳ء میں چودہ سال کی عمر کو پہنچ کر سنِ بلوغت میں داخل ہو گئے تھے اور احکام شریعت کے مکلف ہو چکے تھے یوں وہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء تک تقریباً اڑتیس یا انتالیس برس تک حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر قائم و دائم رہے۔ ۱۸۹۱ء سے لے کر اپنے سال وفات ۱۹۰۸ء عیسوی تک یعنی کوئی سولہ سترہ برس تک مرزا صاحب حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے سابقہ عقیدے سے برگشتہ ہو کر وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر قائم رہے۔

یہ ہرگز قرین قیاس نہیں ہے کہ براہین احمدیہ کی تصنیف سے پہلے وہ وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے قائل رہے ہوں پھر اس کتاب کی تصنیف کے ایام میں ۱۸۸۰ء عیسوی میں وہ یکا یک حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کا بھرپور اعتراف واقرار کرنے لگیں پس مرزا صاحب کا اعجاز احمدی (۱۹۰۲ء) میں یہ لکھنا کہ میں حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر صرف بارہ سال کے طویل عرصے تک قائم رہا، قطعاً غلط اور سفید جھوٹ ہے۔

۳۔ اب کوئی اور نہیں بل کہ یہی مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی (۱۹۰۷ء) میں لکھتے ہیں: **فمن سوء الادب ان یقال ان عیسیٰ مامات وان ھو الاشرك عظیم یا کل الحسنات و یخالف الحصاۃ بل ھو توفی کمثل اخوانہ ومات کمثل اھل زمانہ وان عقیدۃ حیاتہ قد جاء ت فی المسلمین من الملۃ النصرانیۃ** (۵/ج) یعنی یہ بے ادبی (گستاخی) کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ یہ (عقیدہ) تو محض شرکِ عظیم ہے جو نیکیوں کو کھا جاتا ہے اور عقل کے خلاف ہے بل کہ وہ اپنے بھائیوں کی طرح وفات پا گئے اور اپنے زمانے کے لوگوں کی طرح موت سے ہم کنار ہوئے اور بے شک ان کے زندہ ہونے کا عقیدہ مسلمانوں میں عیسائیوں کی طرف سے آیا ہے''۔ مرزا غلام احمد قادیانی اگر اپنے مذکورہ موقف میں جھوٹے ہیں تو جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر مرزا صاحب اپنے مذکورہ قول میں سچے ہیں تو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ وہ سال ہا سال تک حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر قائم ودائم رہنے کی وجہ سے خود اپنے ہی قلم سے اس مدت میں مشرکِ عظیم، ماکول الحسنات (جس کی نیکیاں کھائی جارہی اور برباد ہوتی رہی ہوں) اور بے عقل بھی تھے۔ نبی ظہورِ نبوت سے پہلے بھی ہرگز ہرگز مشرکِ عظیم اور خلاف عقل عقائد پر قائم نہیں ہوا کرتا پس اس صورت میں مرزا صاحب کا متنبّی (جھوٹا نبی) ہونا بھی صاف ثابت ہو رہا ہے وھو المطلوب۔

۴۔ جیسا کہ خوب واضح کیا جا چکا ہے مرزا غلام احمد قادیانی، حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے رفع سماوی اور قیامت کے قریب آسمان سے دنیا پر ان کے نزول کے قائل رہے تھے اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کی پیش گوئی کو وہ اول درجے کی ایسی پیش گوئی قرار دیا کرتے تھے جسے تواتر کا درجہ حاصل ہے۔ یہی مرزا صاحب اپنے اس اعترافی اور اجماعی عقیدے سے بعد میں منحرف ہو گئے۔ کسی مسئلے پر امتِ مسلمہ کے اجماع کی اہمیت کو اپنی کتاب انجام آتھم (۱۸۹۶ء) میں وہ یوں اجاگر کرتے ہیں ''گواہ رہو کہ میرا تمسک قرآن شریف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو کہ چشمۂ حق ومعرفت ہے، کی میں پیروی کرتا ہوں اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو کہ اس خیر القرون میں باجماعِ صحابہ قرار پائی ہیں نہ ان پر کوئی زیادتی کرتا ہوں اور نہ ان میں کوئی کمی۔ اور اسی اعتقاد پر میں زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور

انجام ہوگا اور جو شخص ذرہ بھر بھی شریعتِ محمدیہ میں کمی وبیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو''۔ (۶/الف) جس طرح مرزا صاحب حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی اور قیامت کے قریب زمین پر ان کے نزول کو اجماعی اور امت تک تواتر سے پہنچنے والا عقیدہ قرار دیا کرتے تھے اور خود بھی اس پر سال ہا سال تک قائم رہے تھے۔ بعینہٖ اسی طرح ختمِ نبوت یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عدم اجرائے نبوت کے امتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدے کے وہ ابتداء میں قائل اور اس پر پوری طرح قائم تھے۔ چناں چہ وہ اپنی کتاب ''کتاب البریۃ (۱۸۹۸ء) میں لکھتے ہیں'' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ وٰلٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے''۔ (۶/ب) اور اپنی دوسری کتاب حمامۃ البشریٰ (۱۸۹۳ء) میں مرزا صاحب نے لکھا'' کیا تو نہیں جانتا کہ اس محسن رب نے ہمارے نبی کا نام خاتم النبیین رکھا ہے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اور آں حضرت نے طالبوں کے لئے بیانِ واضح سے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز رکھیں تو لازم آتا ہے کہ وحی نبوت کے دروازے کا انفتاح بھی بند ہونے کے بعد جائز خیال کریں اور یہ باطل ہے جیسا کہ مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کیوں کر آئے، حال آں کہ آپ کی وفات کے بعد وحی نبوت منقطع ہوگئی ہے اور آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے''۔ (۶/ج) یہی مرزا غلام احمد قادیانی بعد میں امت کے اس اجماعی عقیدے سے بھی منحرف ہوگئے اور اپنی نبوت کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے انجام آتھم (۱۸۹۶ء) میں اجماع سے منحرف ہونے پر اپنے ہی قلم سے لعنت کی بددعا کی ہے۔ پس مرزا صاحب حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عدم اجرائے نبوت کے اجماعی عقیدوں سے جن پر وہ پہلے خود بھی قائم تھے، منحرف ہو کر اپنے ہی قلم اور اپنی ہی بددعا کی زد میں آ کر ملعون من اللہ، ملعون الملائکہ اور ملعون الناس ہوگئے اور اس سے پہلے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب اپنے ہی قلم کے قیدی ہو کر مشرکِ عظیم، ماکول الحسنات اور بہ قول خود خلافِ عقل عقیدے پر سال ہا سال تک قائم رہنے کی وجہ سے بدعقل بھی ہوگئے۔ ہم نے اپنی طرف سے تو ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے۔

ب: بہ حوالہ ''عذر خطائے اجتہادی'' جب مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ہی شوخیٔ قلم سے اپنے آپ کو مشرکِ عظیم اور ملعون قرار دے بیٹھے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے حق میں خطائے اجتہادی کا

عذر قابل قبول ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو یہی بات درست ہے۔ اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب سال ہا سال تک اجتہادی غلطی میں مبتلا رہنے کی وجہ سے معذور تھے تو یہ دعویٰ درج ذیل وجوہ کی بنا پر قطعاً مردود ہے:

۱۔ جس براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں مرزا صاحب نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کا بھرپور اعتراف واقرار کیا ہے اور جس پر وہ سال ہا سال تک قائم بھی رہے پھر ان ہیں معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ تو خلافِ عقل اور نیکیوں کو برباد کردینے والا شرکِ عظیم ہے، اسی کتاب میں انہوں نے قرآن کریم کی سچی پیروی کرنے والوں کے اوصافِ حمیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''ازاں جملہ ایک عصمت بھی ہے جس کو حفظِ الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ عصمت بھی فرقانِ مجید کے کامل تابعین کو بہ طور خرقِ عادت عطا ہوتی ہے اور اس عصمت سے مراد ہماری یہ ہے کہ وہ ایسی نالائق اور مذموم عادات اور خیالات اور اخلاق اور افعال سے محفوظ رکھے جاتے ہیں جن میں دوسرے لوگ دن رات آلودہ اور ملوث نظر آتے ہیں اور اگر کوئی لغزش ہو بھی جائے تو رحمتِ الٰہیہ جلد تر ان کا تدارک کرلیتی ہے''۔ (۷/ الف) اب دیکھئے سال ہا سال کے بعد مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ تو شرکِ عظیم ہے تو خود ان کی اپنی مذکورہ تحریر کے مطابق ضروری تھا کہ براہین احمدیہ کی تصنیف کے ایام میں ہی مرزا صاحب کو عصمت بہ طور خرقِ عادت حاصل ہوچکی ہوتی اور اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہو رہی تھی تو رحمت الٰہیہ جلد تر مرزا صاحب کا تدارک کرلیتی لیکن ایسا نہیں ہوا بل کہ وہ اس کتاب کی تصنیف کے بعد بھی برس ہا برس تک حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر جمے رہے تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ ہی سچا ہے اور یہ ہرگز شرک نہیں اور یہ کہ مرزا صاحب نے کئی سالوں کے بعد جا کر وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ کر کے جھوٹ بولا ہے۔ جھوٹا شخص نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر مرزا صاحب کے بعد کے اس جھوٹ کا انکار کیا جائے تو لازماً ان ہیں ان کی اپنی تحریر کی رو سے مشرکِ عظیم ٹھہرانا ہوگا۔ مشرکِ عظیم دینی نقطۂ نگاہ سے کاذب ہی نہیں بل کہ کذّاب ہوتا ہے۔ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ومن یشرك باللہ فقد افتریٰ اثما عظیماً** (۷/ ب) ''اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس نے بہت بڑا گناہ کرتے ہوئے (اللہ پر) جھوٹ باندھا''۔

۲۔ اسی براہین احمدیہ میں مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں ''وہ (قرآن کریم کے سچے متبعین) اپنے ہر ایک خیال اور علم اور فہم اور غضب اور خوف اور طمع اور تنگی اور فراخی اور خوشی اور غمی اور عُسر اور یُسر میں تمام نالائق باتوں اور فاسد خیالوں اور نادرست علموں اور ناجائز عملوں اور بیجا فہموں اور ہر ایک افراط اور تفریط انسانی سے بچائے جاتے ہیں اور کسی مذموم بات پر ٹھہرنہیں پاتے کیوں کہ خداوند کریم خود ان کا متکفل ہوتا ہے اور جس شاخ کو ان کے شجرۂ طیبہ میں خشک دیکھتا ہے اس کو فی الفور اپنے مربیانہ ہاتھ سے کاٹ ڈالتا

ہے اور حمایتِ الٰہی ہر دم اور ہر لحظہ ان کی نگرانی کرتی رہتی ہے''۔ (۷/ ج) اب خوب غور کیجئے کہ براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں مذکور حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی اور قیامت کے قریب میں ان کے نزول کی بات اگر واقعی نالائق بات، فاسد خیال نادرست علم، بیجا فہم، افراط وتفریط، مذموم بات تھی بل کہ اس سے بڑھ کر مرزا صاحب کے بعد کے خیالات کے مطابق شرک عظیم، نیکیوں کو برباد کرنے والی اور خلاف عقل بات تھی تو مرزا صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کی رو سے ضروری تھا کہ خداوند کریم مرزا صاحب کا خود متکفل ہوتا اور جو شاخ ان کے ''شجرۂ طیبہ'' میں خدا کو خشک دکھائی دے رہی تھی وہ اسے فی الفور کاٹ دیتا اور براہین احمدیہ لکھنے کے ایام میں ہی حمایتِ الٰہی ہر دم اور ہر لحظہ ان کی نگرانی کرتی رہتی لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا اور وہ سال ہا سال تک حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر جمے رہے۔ پس یہی عقیدہ ان کی اپنی مذکورہ عبارت کی رو سے صحیح ثابت ہوا جسے بعد میں انہوں نے ناحق شرک عظیم قرار دے کر سفید جھوٹ بولا۔ جھوٹا شخص متنبی تو ہو سکتا ہے سچا نبی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر براہین احمدیہ میں مذکور ان کے خیالات کو غلط قرار دیا جائے اور حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح اور اجماعی عقیدے کو (معاذ اللہ) شرک عظیم قرار دیا جائے تو مرزا صاحب کو مشرکِ عظیم مانے بغیر چارہ نہیں جس پر وہ اپنے اعتراف واقرار کے مطابق کوئی بارہ سال تک (اور حقیقتاً کوئی انتالیس سال تک) قائم رہے تھے۔ دینی اعتبار سے مشرک عظیم کاذب ہی نہیں بل کہ کذّاب ہوا کرتا ہے۔

۳۔ اسی کتاب براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے ''مسلمانوں کا پھر شرک اختیار کرنا اس جہت سے ممتنعات سے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس بارے میں بھی پیش گوئی کر کے آپ فرما دیا ہے مایُبدئ الباطل ومایعید یعنی شرک اور مخلوق پرستی جس قدر دور ہو چکی ہے پھر نہ تو وہ اپنی کوئی نئی شاخ نکالے گی اور نہ اسی پہلی حالت پر عود کرے گی''۔ (۸/ الف)۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی اپنے مذکورہ قول میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ اگر جھوٹے ہیں تو جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر وہ سچے ہیں اور اسی براہین احمدیہ میں انہوں نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کے صحیح ہونے کا بھرپور اعتراف واقرار کیا ہے اور قرآنی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے تو سال ہا سال کے بعد یہ عقیدہ ''شرکِ عظیم، نیکیوں کو کھا جانے والا اور خلافِ عقل'' کیسے ہو گیا؟ پس حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح اور اجماعی عقیدے کو ہرگز شرکِ عظیم نہیں قرار دیا جا سکتا ورنہ لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب عرصہ دراز تک مشرکِ عظیم رہے تھے اور مشرکِ عظیم کاذب ہی نہیں بل کہ کذّاب ہوا کرتا ہے۔

۴۔ اسی براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں ''یہ علوم ومعارف

جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ خیرِ کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحرِ محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دیئے جاتے ہیں اور ان کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی ہوتی ہے جو اعلیٰ درجے کے حقائق حقہ ان کے نفسِ آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں منکشف ہوتی رہتی ہیں اور تائیدات الٰہیہ ہر ایک تحقیقی اور تدقیق کے وقت کچھ ایسا سامان ان کے لئے میسر کر دیتی ہیں جن سے بیان ان کا ادھورا اور ناقص نہیں ہوتا اور نہ کچھ غلطی واقعہ ہوتی ہے''۔

(۸/ب) کیا مرزا صاحب اپنے مذکورہ قول میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ اگر جھوٹے ہیں تو جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ سچے ہیں تو اسی براہین احمدیہ میں انہوں نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کو صحیح کہتے ہوئے اس پر قرآنی آیات سے استدلال بھی کیا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت کی رو سے اگر مرزا صاحب کے علوم واقعی خیرِ کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحرِ محیط کے رنگ میں تھے اور اگر ان کے فکر و نظر میں واقعی ایسی برکت رکھی گئی تھی کہ اعلیٰ درجے کے حقائق حقہ ان کے نفس ''آئینہ صفت'' پر منعکس ہوتے رہتے تھے اور واقعی کامل صداقتیں ان پر منکشف ہوا کرتی تھیں اور اگر واقعی تائیداتِ الٰہیہ ہر ایک تحقیق اور تدقیق کے وقت کچھ ایسا سامان ان کے لئے میسر کر دیا کرتی تھیں جن سے ان کا بیان ادھورا اور ناقص نہیں ہوا کرتا تھا اور نہ ہی ان سے کچھ غلطی واقع ہوا کرتی تھی تو عام قارئین حضرات عموماً اور قادیانی حضرات خصوصاً غور فرمائیں کہ ان حالات میں اسی کتاب براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام، ان کے رفع سماوی اور قیامت کے قریب زمین پر ان کے نزول کا وہ عقیدہ کیسے گھسیڑ دیا جسے سال ہا سال کے بعد انہوں نے شرکِ عظیم قرار دے ڈالا؟ پس مرزا صاحب کی مذکورہ عبارت کی رو سے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ ہی صحیح ہے اور یہ ہرگز شرکِ عظیم نہیں ہے ورنہ لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب سال ہا سال تک مشرکِ عظیم رہے تھے اور مشرکِ عظیم کاذب ہی نہیں بل کہ کذاب ہوا کرتا ہے۔ قادیانی حضرات کے لئے کون سی شق قابل قبول ہے؟ کیا یہاں مرزا صاحب کے حق میں کسی اجتہادی غلطی کا عذر قابل قبول ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں (پھر دہرایئے) ہرگز نہیں۔

۵۔ اسی براہین احمدیہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے ''اسی زمانے کے قریب کہ جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصے میں ہنوز علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء کو خواب میں دیکھا اور اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام میں نے قطبی رکھا ہے جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب (براہین احمدیہ)

کی تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارے کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے جس کا کامل استحکام پیش کر کے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا گیا ہے۔ الغرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا''۔ (۸/ ج)۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرزا قادیانی نے واقعی ایسا کوئی مبارک خواب دیکھا تھا یا انہوں نے جھوٹ لکھا ہے؟ اگر جھوٹ لکھا ہے تو جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر سچ لکھا ہے تو (بہ قول مرزا صاحب) خواب کی تعبیر کے مطابق ان کی کتاب براہین احمدیہ قطب ستارے کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔ اسی بھروسے پر مرزا صاحب نے اس کتاب کے مضامین کو جھوٹا ثابت کرنے والے کے لئے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا تھا۔ اس کتاب پر بہ قول مرزا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی مسرت اور شادمانی کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ کتاب بہ قول مرزا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک میں لی تھی جو فوراً ہی نہایت خوش رنگ اور خوب صورت میوہ بن گئی تھی تا آخر کلام۔ اب عام قارئین کرام عموماً اور قادیانی حضرات خصوصاً غور فرمائیں کہ اسی کتاب میں حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام، ان کے رفع سماوی اور قیامت کے قریب زمین پر ان کے نزول کے عقیدے کے صحیح ہونے کا بھرپور اعتراف واقرار بھی تو موجود ہے بل کہ اس کے صحیح ہونے پر مرزا صاحب نے قرآنی آیات اور اپنے الہامات سے استدلال بھی کیا ہے تو سال ہا سال کے بعد یہ سچا اور صحیح عقیدہ مرزا صاحب کے بعد کے نظریات کے مطابق ''شرک عظیم، نیکیوں کو کھا جانے والا اور خلافِ عقل'' کیسے ہوگیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کسی مشرکانہ عقیدے کی حامل کتاب پر انتہائی مسرت کا اظہار فرما کر اس کی تائید وتوثیق فرمائی تھی؟ کیا اسی مشرکانہ عقیدے والی کتاب کو مرزا صاحب نے لاجواب قرار دے کر مخالفین کے لئے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا تھا؟ کیا اسی مشرکانہ کتاب نے خوش رنگ اور خوب صورت میوے کی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں اختیار کی تھی؟ اگر ان سوالات کا جواب ہاں میں ہے تو اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو قطعیت سے یہ ثابت ہوگیا کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ ہی درست ہے، یہ ہرگز شرک نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے طویل عرصے کے بعد اسے شرکِ عظیم قرار دے کر سفید جھوٹ بولا ہے اور جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا۔ ان

حقائق کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں مرزا صاحب کو ایک طویل مدت تک شرکِ عظیم پر قائم رہنے والا مشرک عظیم ٹھہرانا ہوگا۔ مشرکِ عظیم کا ذب ہی نہیں بل کہ کذّاب ہوا کرتا ہے۔ نیز اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین بھی لازم آتی ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) شرکیہ عقیدے پر مشتمل کتاب پر مسرت وشادمانی کا اظہار فرمایا۔ کیا قادیانی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس توہین پر راضی ہیں؟ ان حالات میں وہ جون سی شق قبول کرنا چاہیں کرلیں لیکن مرزا صاحب تو بہ ہر حال جھوٹے ہی ثابت ہو رہے ہیں اور خطائے اجتہادی کا عذر ان کے حق میں مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں ناقابلِ قبول ہے۔

۶۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ (۱۸۹۳ء) میں لکھا ہے۔ ''واللہ یعلم انی ماقلت الا ماقال اللہ تعالیٰ ولم اقل کلمۃ قط یخالفہ وما مسہا قلمی فی عمری'' یعنی خدا جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور میں نے کبھی کوئی ایسا کلمہ تک نہیں کہا جو خلافِ خداوند تعالیٰ ہو اور مخالفتِ خداوندی میری قلم سے اپنی عمر میں کبھی سرزد نہیں ہوئی''۔ (۹/ الف) نیز مرزا صاحب اپنی کتاب نور الحق (۱۸۹۴ء) میں لکھتے ہیں ''ان اللہ لایترکنی علیٰ خطاء طرفۃ عین ویعصمنی من کل مین'' یعنی اللہ تعالیٰ مجھے غلطی پر ایک لحہ بھی باقی نہیں رہنے دیتا اور مجھے ہر ایک غلط بات سے محفوظ رکھتا ہے''۔ (۹/ ب)۔ نیز وہ اپنی کتاب (مواہب الرحمٰن (۱۹۰۳)ء میں لکھتے ہیں ''کلما قلت قلت من امرہ وما قولت شیئا من امری یعنی میں نے جو کچھ کہا وہ سب کچھ خدا کے امر سے کہا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا''۔ (۹/ ج)۔ کیا مرزا صاحب اپنے مذکورہ اقوال میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ اگر جھوٹے ہیں تو جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر سچے ہیں تو مرزا صاحب کے حق میں سال ہا سال پر محیط خطائے اجتہادی اور سہو ونسیان کا عذر کیسے قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ پس براہینِ احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں مذکور حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام ہی کا عقیدہ درست ہے ورنہ یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ مرزا صاحب سال ہا سال کے لئے مشرکِ عظیم رہے، ان کی نیکیاں برباد ہوتی رہیں اور وہ بہ قول خود خلاف عقل عقیدے پر قائم رہے۔ مشرکِ عظیم تو کذّاب ہوتا ہے۔

۷۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب آئینۂ کمالاتِ اسلام (۱۸۹۳ء) میں لکھا ہے ''روح القدس کی قدسیت ہر وقت اور ہر دم اور ہر لحظہ بلا فصل مُلہم (الہام یافتہ شخص) کے قویٰ میں کام کرتی ہے''۔ (۱۰/ الف) مرزا صاحب اپنے مذکورہ قول میں اگر جھوٹے ہیں تو جھوٹا شخص مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ سچے ہیں اور واقعی روح القدس کی قدسیت ہر وقت اور ہر دم اور ہر لحظہ بلا فصل ان کے قویٰ میں کام کرتی رہی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں حیاتِ مسیح علیہ السلام کے عقیدے کے صحیح ہونے کا اقرار کرتے اور قرآنی آیات سے اس پر استدلال کرتے اور سال ہا سال کے

بعد اسے شرکِ عظیم قرار دیتے؟ پس حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا اجماعی عقیدہ ہی درست ہے، یہ ہرگز شرک نہیں ہے ورنہ مرزا صاحب لازماً سال ہا سال تک کے لئے مشرکِ عظیم اور کذاب قرار پائیں گے۔ اب تک ہم مرزا صاحب کی ۱۸۸۰ء سے لے کر ۱۹۰۳ء تک کی کتب سے مذکورہ بالا مباحث میں اقتباسات پیش کر چکے ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا مرزا صاحب کا پہلا عقیدہ ہی درست ہے اور یہ ہرگز شرک نہیں ہے۔ مرزا صاحب سال ہا سال کے بعد وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اختیار کر کے گم راہی کے عمیق گڑھے میں گر گئے۔ یہ بھی واضح ہو چکا کہ مرزا صاحب کے حق میں خطائے اجتہادی اور سہو و نسیان کا عذر اور وہ بھی جو سال ہا سال پر محیط ہو ہرگز ہرگز مسموع نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ بارہا اپنے معصوم عن الخطاء ہونے کا براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) کے ایام سے ہی دعویٰ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اب کوئی اور نہیں خود مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب کرامات الصادقین (۱۸۹۳ء) میں لکھتے ہیں۔ ''.....لیکن افسوس کہ بٹالوی صاحب (مولانا محمد حسین بٹالوی) نے یہ نہ سمجھا کہ نہ مجھے نہ کسی انسان کو بعد انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا دعویٰ ہے''۔ (۱۰/ب) غور کیجئے یہ مرزا صاحب کے کلام میں کھلا تضاد اور تناقض ہے اور ایسا تناقض ان کی تحریروں اور کتابوں میں بہت پایا جاتا ہے۔ کلام میں تناقض کے متعلق مرزا صاحب اپنی کتاب ست بچن (۱۸۹۰ء) میں لکھتے ہیں ''کسی سچیار اور عقل مند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل یا مجنون یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اس کا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے''۔ (۱۰/ج) اپنی کتاب حقیقۃ الوحی (۱۹۰۷ء) میں مرزا صاحب نے لکھا ہے ''اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے''۔ (۱۱/الف)۔ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم (۱۹۰۵ء) میں مرزا صاحب لکھتے ہیں ''جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے'' (۱۱/ب) خوب غور کیجئے۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی ہی شوخی قلم سے اپنے آپ کو ناقابل تردید انداز میں جہاں مشرکِ عظیم، ماکول الحسنات، بدعقل، ملعون من اللہ، ملعون الملائکۃ، ملعون الناس ٹھہرایا ہے تو وہیں وہ اپنے آپ کو اپنے ہی قلم سے مجنون، منافق، خوشامدی، جھوٹا اور مخبوط الحواس بھی ثابت کر رہے ہیں۔ اپنے ہی قلم کا ایسا قیدی شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔ وہ سلطان القلم نہیں بل کہ اسیر القلم ہیں۔ ہم نے تو ایک لفظ بھی اپنی طرف سے ان کے متعلق نہیں لکھا۔ خود ان کی تحریریں بول رہی ہیں۔ ہے کوئی جو عبرت پکڑے؟

۸۔ اوپر بار ہا مذکور ہو چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر سال ہا سال قائم رہے، پھر انہوں نے اس صحیح اور اجماعی عقیدے کو ناحق شرکِ عظیم قرار دے ڈالا۔ مرزا صاحب

کے صاحب زادے مرزا بشیر الدین محمود (قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ) نے اپنے خود ساختہ فلسفۂ توحید و شرک کو یوں بیان کیا ہے۔ ''آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) نے شرک کو پورے طور پر رد کیا اور توحید کو اپنے پورے جلال کے ساتھ ظاہر کیا۔ علماء تسلیم کرتے تھے کہ کسی میں خدائی صفات تسلیم کرنا بھی شرک ہے مگر یہ صرف منہ سے کہتے تھے۔ بڑے سے بڑے توحید پرست وہابی بھی حضرت مسیح علیہ السلام (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ایسی صفات دیتے تھے جو خدا ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً یہ کہتے کہ وہ آسمان پر کئی سو سال سے بیٹھے ہیں، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ ان پر کوئی تغیر ہوتا ہے''۔ (۱۱/ ج) جمعے کے اپنے ایک خطبے میں مرزا بشیر الدین محمود نے کہا ''کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مُوحّد کہلائے۔ خدا تعالیٰ کو ایک سمجھے اور پھر یہ بھی عقیدہ رکھے کہ سیکڑوں سالوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر بغیر کسی جسمانی تغیر کے جوں کے توں بیٹھے ہیں''۔ (۱۲/ الف) مرزا بشیر الدین محمود کے مذکورہ بیانات سے بغیر کسی اشتباہ اور ابہام کے روزِ روشن کی طرح خوب واضح ہو رہا ہے کہ اگر کسی انسان کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ سیکڑوں برس سے آسمان پر بغیر کھائے پیے اور بغیر کسی تغیر کے زندہ موجود ہے تو مرزا بشیر الدین محمود کے نزدیک یہ شرک ہے کہ اس سے بہ قول ان کے مخلوق میں خدائی صفات تسلیم کرنی پڑتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی کو بھی آسمان پر زندہ تسلیم کرنے کی صورت میں شرک لازم آنا چاہیے۔ مثل مشہور ہے دورغ گورا حافظہ نباشد کہ جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوا کرتا۔ مرزا بشیر الدین محمود کو یاد نہ رہا کہ مسیحیت و نبوت کے مدعی ان کے ابا جی مرزا غلام احمد قادیانی آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زندہ موجود ہونے کے قائل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی سیکڑوں برس پہلے کا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب نور الحق (۱۸۹۳ء) میں لکھتے ہیں: ھذا موسیٰ فتی اللہ الّذی اشار اللہ فی کتابہ الیٰ حیاتہ وفرض علینا ان نومن بانہ حی فی السماء ولم یُمت ولیس من المیتین ''یہ وہی موسیٰ علیہ السلام مردِ خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہم پر فرض ہوگیا کہ ہم اس بات پر ایمان لا دیں کہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہے اور مُردوں میں سے نہیں''۔ (۱۲/ ب) نیز مرزا صاحب حمامۃ البشریٰ (۱۸۹۳ء) میں لکھتے ہیں: بل حیاۃ کلیم اللہ ثابت نبص القرآن الکریم الاتقرء فی القرآن ما قال اللہ تعالیٰ عز و جل، فلا تکن فی مریۃ من لقاء ۃ؟ وانت تعلم ان ھٰذہ الاٰتہ نزلت فی موسیٰ فھی دلیل صریح علیٰ حیاۃ موسیٰ علیہ السلام لانہ لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا موات لا یلاقون الاحیاء ولا تجد مثل ھذہ الذیات فی شان عیسیٰ علیہ السلام، نعم جاء ذکر وفاتہ فی مقامات شتی (۱۲/ ج) یعنی ''کلیم اللہ کی

زندگی قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے کیا تو پڑھتا نہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا ہے کہ (اے پیغمبر!) تو اس (موسیٰ) سے ملاقات میں شک نہ کر اور تجھے معلوم ہے کہ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تو یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر صریح دلیل ہے، کیوں کہ ان کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی حال آں کہ مُردے زندوں سے ملاقات نہیں کیا کرتے اور تو اس طرح کی آیات عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں نہیں پائے گا۔ ہاں! ان کی وفات کا ذکر مختلف مقامات میں آیا ہے''۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی مذکورہ عبارتوں پر خوب غور کیجئے۔ یہاں یہ غلط تاویل ہرگز کارگر نہیں ہوسکتی کہ ان عبارتوں میں حیاتِ موسیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی زندگی مراد ہے، کیوں کہ روحانی زندگی تو سب ہی انبیاء علیہم السلام کو بالاتفاق حاصل ہے اور پھر اپنے ان مضامین میں مرزا صاحب نے حیاتِ موسیٰ علیہ السلام کا وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل کیا ہے، حال آں کہ روحانی زندگی تو قادیانیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حاصل ہے۔ پس لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مرزا صاحب، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر صرف روحانی طور پر ہی نہیں بل کہ جسم وروح کے ساتھ زندہ مانتے ہیں۔ اب جن وجوہ اور اسباب کی بنا پر خلیفۂ قادیان مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے خود ساختہ فلسفۂ توحید وشرک سے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ موجود ہونے کے عقیدے کو شرک قرار دیا ہے، بعینہ ان ہی وجوہ اور اسباب کی بنا پر آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے کے عقیدے کو بھی لازماً شرک قرار دینا ہوگا۔ یہ مقام عبرت ہے کہ صاحب زادہ بشیر الدین محمود نے اپنے خانہ ساز فلسفۂ توحید وشرک کے تحت اپنے اباجی مرزا غلام احمد قادیانی کو ''موحد عظیم'' ثابت کرنا چاہا تھا مگر الٹا وہ ان ہیں بہ طریقِ اولیٰ مشرک عظیم ثابت کر بیٹھے بل کہ عمر بھر کے لئے ان ہیں مشرکِ عظیم ثابت کر دیا، کیوں کہ وہ پہلے تو سال ہا سال تک آسمان پر حیات عیسیٰ علیہ السلام کے (بہ زعم خویش) مشرکانہ عقیدے پر جمے رہے، اس سے دست بردار ہوئے تو حیاتِ موسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کو گلے لگا لیا۔ یوں باپ اور بیٹے کے بیانات کی ''برکت'' سے شرکِ عظیم مدت العمر مرزا صاحب کے گلے کا طوق بنا رہا۔ اب تو اجتہادی غلطی کا عذر لنگ سرے سے ہی خارج از بحث ہوگیا کہ شرک عظیم کے اس جال سے تو مرزا صاحب عمر بھر کبھی بھی آزاد نہ ہوسکے۔ آسمان پر حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ قرآن وسنت سے ثابت امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے اور یہ ہرگز شرک نہیں ملائکہ بھی آسمان پر کھائے بغیر زندہ ہیں۔ زمین میں اصحاب کہف سیکڑوں برس غار میں پڑے کھائے بغیر سوئے رہے۔ وہ زندہ رہے اور ان کے اجسام میں کوئی بھی تغیر پیدا نہ ہوا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کھاتے پیتے ہوں تو اس میں بھی قطعاً کوئی عقلی اشکال نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے

کہ ملائکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید ہی ان کی خوراک ہو جو مادی خورک سے انہیں مستغنی کرتی ہو۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے چوں کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کو شرک عظیم قرار دیا ہے اور پھر ان کے صاحب زادے بشیر الدین محمود نے اس کے شرک ہونے کی جو وجہ بہ زعم خویش بیان کی ہے تو یہی وجہ حیات موسیٰ علیہ السلام کے عقیدے میں بھی موجود ہے لہٰذا مرزا صاحب اپنے اور پھر اپنے بیٹے کے قول کی رو سے عمر بھر کے لئے مشرک عظیم ٹھہرتے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا صاحب نے آسمان پر حیات موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اس دور میں اختیار کیا جب وہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کو چھوڑ کر وفات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اپنا چکے تھے۔ چناں چہ انہوں نے اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ میں حیات موسیٰ علیہ السلام کا وفات عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل کیا ہے لہٰذا صاحب زادہ بشیر الدین محمود کا عقیدہ بھی لازماً حیات موسیٰ علیہ السلام کا ہونا چاہئے۔ اگر صاحب زادے کا یہی عقیدہ تھا تو وہ اپنے ہی وضع کردہ فلسفہ توحید وشرک کی زد میں آکر خود بھی مشرک عظیم ہو گئے اور اگر وہ اس عقیدے کے قائل نہیں تھے تو بھی وہ اپنے ہی قول کی رو سے مردود ہو گئے، کیوں کہ وہ لکھتے ہیں ''جو مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) کے ایک لفظ کو بھی جھوٹا سمجھتا ہے وہ خدا کی درگاہ سے مردود ہے کیوں کہ خدا اپنے نبی کو وفات تک غلطی میں نہیں رکھتا۔'' (۱۳/ الف) کیا قادیانی حضرات یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے آسمان پر حیات موسیٰ علیہ السلام کے اس عقیدے سے اپنی وفات سے پہلے رجوع کر لیا تھا؟ بالفرض ثابت ہو بھی جائے تو بھی بات نہیں بنتی۔ مرزا صاحب کو اپنے ہی اقوال و بیانات کی رو سے لمحہ بھر کے لئے بھی کسی غلطی پر قائم نہیں رہنا چاہئے تھا کیوں کہ بہ قول ان کے ان کے معصوم قلم سے عمر بھر کوئی غلط بات کبھی سرزد نہیں ہوئی۔ (۱۳/ ب)

مرزا غلام احمد قادیانی نے حیات موسیٰ علیہ السلام کے استدلال میں جس قرآنی آیت کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ سجدہ کی ہے۔ اس سے مفسرین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وہ ملاقات مراد ہے جو آپ کو معراج کی رات بعض جلیل القدر دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے بھی حاصل ہوئی تھی۔ اس سے اگر آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جسمانی حیات مراد لی جائے تو باقی جن انبیائے کرام کی آپ سے ملاقات ہوئی تھی انہیں بھی آسمان پر جسمانی حیات کے ساتھ زندہ تسلیم کرنا ہوگا، حال آں کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصل مستقر تو ان کی قبور ہیں اور معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے یا تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے اصل اجسام مع ارواح مبارکہ کو دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر قدرت حاصل ہے، یا اصل اجسام تو قبور میں ہی رہے اور آپ ﷺ کی ملاقات ان کی ارواح مبارکہ سے کرائی گئی جو اجسام مثالیہ میں آپ کو نظر آئیں۔ البتہ

آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر یقیناً ان کے جسد اصلی کے ساتھ دیکھا کیوں کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام کو بھی ان کے اصلی جسم کے ساتھ دیکھا کیوں کہ وہ بھی زندہ اُٹھائے گئے تھے۔ (۱۳/ ج)

مذکورہ مباحث کے سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بہ قول مرزا غلام احمد قادیانی اُنہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تھی جس میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ کا نام قطبی بتایا تھا، جس کی تعبیر مرزا غلام احمد کے بہ قول یہ ہے کہ براہین احمدیہ قطب ستارے کی طرح ایک غیر متزلزل اور مستحکم کتاب ہے۔ مضحکہ خیز صورت حال یہ ہے کہ اسی براہین احمدیہ میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے عقیدے کو مرزا صاحب نے سال ہا سال کے بعد (معاذ اللہ) شرک عظیم قرار دے ڈالا حال آں کہ مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی کتاب براہین احمدیہ خواب میں جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں پہنچی تھی تو نہایت خوش رنگ اور خوب صورت میوے کی صورت اختیار کر گئی تھی اور جب آپ ﷺ نے اس میوے کو قاش قاش کیا تو اس سے اتنا شہد نکلا کہ رسول اللہ ﷺ کا مبارک ہاتھ کہنی تک اس سے بھر گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کتاب میں حیات عیسیٰ علیہ السلام کا وہ عقیدہ بھی مذکور تھا جو مرزا صاحب کے بعد کے نظریات کے مطابق شرک عظیم تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر مسرت اور خوشی کا کیوں اظہار فرمایا تھا؟ اس سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) توحید و شرک کا فرق معلوم نہ تھا اور توحید و شرک میں امتیاز کی یہ سعادت مرزا قادیانی اور ان کے صاحب زادے کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے۔ اس نے بعد از خدا بزرگ توئی کے مصداق سیّدنا و مولانا سیّد الانبیاء و خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فداہ اجسادنا و ارواحنا کی اس توہین کا مرزا قادیانی اور اس کے بیٹے بشیر الدین محمود سے انتقام یوں لیا کہ باپ اور بیٹا دونوں کے دماغ ماؤف ہو گئے اور وہ اپنے ہی قلم کی زد میں آ کر مشرک عظیم، کذاب اور مردود ہو گئے۔ کسی اور کو ان کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہی، ان کے اپنے اقوال و اعمال نے اُنہیں گھیر رکھا ہے۔ ان کے عقیدت مندوں کی اخروی سلامتی اسی میں ہے کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مرزا صاحب پہلے عقیدے کو ہی درست سمجھیں اور مرزا صاحب کو جھوٹا مسیح اور جھوٹا نبی یقین کریں ورنہ رسول اللہ ﷺ کی شعوری یا غیر شعوری توہین میں وہ برابر کے شریک و سہیم قرار پاتے ہیں۔

۹۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام (۱۸۹۳ء) میں لکھتے ہیں: **ومن تفوہ بکلمۃ لیس لہ اصل صحیح فی الشرع ملہما کانا او مجتہدا فیہ الشیاطین متلاعبۃ** (۱۴/ الف) ''جو شخص کوئی ایسا کلمہ زبان پر لائے جس کی شریعت میں کوئی صحیح اصل موجود نہ ہو تو خواہ ایسا

شخص ملہم (الہام یافتہ) ہو یا مجتہد ہو اس کے اندر شیاطین کھیل رہے ہوتے ہیں۔'' اوپر نمبر شمار ۸ کے تحت یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ مرزا صاحب اپنی اور اپنے بیٹے مرزا بشیر الدین کی تحریروں اور اقوال و بیانات کی رو سے مدت العمر شرک عظیم میں مبتلا رہے اور اس سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہوسکتا کہ شرک کی شریعت میں قطعاً کوئی اصل نہیں یہ تو اکبر الکبائر ہے۔ پس ناقابل تردید طریقے سے مرزا صاحب کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ مدت العمر شیاطین کا کھلونا بنے رہے اور شیاطین ان کے اندر کھیلتے رہے۔ مرزا صاحب نے مذکورہ عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ خلاف شرع بات خواہ کسی مجتہد کے منہ سے نکلے تو بھی شیاطین اس کے اندر کھیل رہے ہوتے ہیں۔ شرک یقیناً اور قطعاً خلاف شرع ہے پس اپنی مذکورہ تحریر سے مرزا صاحب نے اپنے حق میں کسی اجتہادی غلطی کی رعایت کا دروازہ بھی خود ہی اپنے اوپر بند کرلیا۔ نیز اجتہاد کے اہل کسی عالم سے کوئی اجتہادی غلطی سرزد ہو تو بھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکہرا اجر ملتا ہے اور اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو دہرا اجر ملتا ہے۔ (۱۴/ب) پس اجتہادی مسائل ہرگز ایسے نہیں ہوتے کہ ان کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور یہ تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ جس شخص سے اس کی اپنی تحریر کی رو سے ساری عمر یا سال ہا سال تک شیاطین کا کھیلنا لازم آتا ہو تو ایسے شخص کو کسی نام نہاد اجتہادی خطا کی رعایت دے کر اکہرے اجر کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔ مجتہد کو اس کی غلطی پر بھی اجر ملتا ہے لہٰذا وہ ہرگز خلاف شریعت نہیں ہوا کرتی، کیوں کہ اجتہادی مسائل میں صحیح و غلط اور اولیٰ و خلاف اولیٰ میں یقینی امتیاز مجتہدین کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ نیز حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے پر تو امت مسلمہ کا اجماع ہے اس میں سرے سے کسی کا اختلاف ہے ہی نہیں۔ اجتہادی غلطی کا تصور تو وہاں پیدا ہوگا جہاں کسی مسئلے میں مجتہدین میں باہم اختلاف ہو اور مرزا صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اجماع امت کے مخالف پر اللہ، اس کے رسولوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔'' (۱۴/ج)

۱۰۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے سچے اور امت مسلمہ کے اجماعی عقیدے کو صرف شرک عظیم ہی نہیں بل کہ اسے خلاف عقل بھی قرار دیا ہے جس پر وہ خود بھی باعتراف خود سال ہا سال تک قائم رہنے کی وجہ سے مشرک عظیم اور بے عقل ٹھہرتے ہیں۔ پس حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے کو اجتہادی مسئلہ اس لئے بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اجتہادی مسائل میں کوئی جانب بھی ہرگز خلاف عقل نہیں ہوا کرتی۔ ہر خلاف عقل بات یقیناً غلط بھی ہے لیکن ہر غلط بات کا خلاف عقل ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً دو اور دو کا پانچ ہونا خلاف عقل بھی ہے اور غلط بھی، لیکن اگر مثلاً زید آج لاہور میں نہ ہو اور بکر یہ دعویٰ کرے کہ زید لاہور میں ہے تو بکر کی بات غلط تو ہے لیکن خلاف عقل ہرگز نہیں کیوں کہ لاہور میں زید کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کو عقل ممکن قرار دیتی ہے نہ کہ محال ٹھہراتی ہے۔ اجتہادی مسائل میں اگر کسی فریق کا موقف

غلط ہو یا غلط تو نہیں مگر خلاف اولیٰ ہو تو یہ خلاف عقل ہرگز نہیں ہوا کرتا۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اس لئے بھی اجتہادی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ مرزا صاحب نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کو نیکیاں کھا جانے والا عقیدہ بھی قرار دیا ہے۔ ادھر اجتہادی مسائل میں کسی فریق کا موقف بھی نیکیوں کو کھا جانے والا موقف نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً جہری نمازوں میں نماز باجماعت میں جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو آمین کو بلند یا آہستہ آواز سے کہنے میں اجتہادی اختلاف ہے۔ یہاں نہ تو آمین کو بلند آواز سے کہنا (معاذ اللہ) نیکیاں کھا جانے والا عمل ہے اور نہ ہی اسے آہستہ کہنے سے (معاذ اللہ) نیکیاں برباد ہوتی ہیں، پس جب حیات عیسیٰ علیہ السلام اور وفات عیسیٰ علیہ السلام کا اختلاف ہرگز اجتہادی اختلاف ہے ہی نہیں تو مرزا صاحب کے حق میں اجتہادی غلطی کا عذر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ نیز حیات عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اجتہادی اس لئے بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ مرزا صاحب نے اسے (معاذ اللہ) شرک عظیم قرار دیا ہے۔ کفر و اسلام اور شرک و توحید کا اختلاف اجتہادی اختلاف کے زمرے میں نہیں آتا۔ کفر یقیناً باطل اور اسلام یقیناً حق ہے، شرک یقیناً باطل اور توحید یقیناً حق ہے۔ اجتہادی مسائل تو وہ ہیں جن میں صحیح و غلط، افضل و مفضول، اولیٰ و خلاف اولیٰ، راجح و مرجوح کا یقینی اور قطعی فیصلہ ممکن نہیں ہوتا۔ اجتہادی مسائل میں اجتہاد کے اہل مجتہدین اپنی طرف سے صحیح رائے قائم کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ اجتہاد اس کوشش ہی کا نام ہے۔ اگر وہ اپنی اس کوشش کے باوجود کسی اجتہادی مسئلے میں صحیح فیصلے نہ کر پائیں تو وہ اجتہادی خطا پر معذور اور ناقابل مواخذہ ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اجتہادی خطا سے غلط قول و فعل صحیح میں، مفضول قول و فعل افضل میں، خلاف اولیٰ قول و فعل اولیٰ میں اور مرجوح قول و فعل راجح میں بدل جاتا ہے۔ پس اگر شرک کو ناحق اجتہادی مسئلہ بھی قرار دیا جائے تو بھی اجتہادی غلطی سے شرک بہ ہر حال شرک ہی رہے گا نہ کہ توحید میں بدل جائے گا۔ لہٰذا مرزا قادیانی نے جو اپنے آپ کو مشرک عظیم ٹھہرالیا ہے اس سے ان کی گلوخلاصی ہرگز ممکن نہیں۔ تاہم جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں شرک سرے سے اجتہادی مسئلہ ہے ہی نہیں کیوں کہ اجتہادی مسائل کے برعکس کفر و اسلام اور شرک و توحید میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے یقینی اور قطعی امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ اگر اجتہادی خطا کی آڑ میں شرک کا جواز پیش کیا جائے تو یہ رعایت صرف مرزا غلام احمد قادیانی اور بہ قول ان کے ان سے پہلے کے تیرہ صدیوں کے مسلمانوں کو ہی نہیں بل کہ دنیا بھر کے تمام مشرکین کو بھی حاصل ہونی چاہئے۔ مشرکین کی عظیم اکثریت فکری لغزش کی بنیاد پر ہی تو اپنے آپ کو حق بہ جانب قرار دیتی چلی آرہی ہے۔ لہٰذا کفر و شرک تک پہنچا دینے والی فکری لغزش کو ہرگز (دوبارہ دہرائیے) ہرگز اجتہادی خطا کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ یہاں یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر

بہ قول مرزا صاحب تیرہ سو سال تک پوری امت مسلمہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی آیات کو سمجھنے سے قاصر رہی تھی اور اجتہادی غلطی میں مبتلا تھی تو (معاذ اللہ) ایسے ناقابل فہم قرآن کی حفاظت کا فائدہ ہی کیا تھا؟ اسی طرح کی لغو اور جھوٹی باتوں کے سدباب کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا ہے۔ (۱۵/الف) ''بے شک ہم نے ہی اس نصیحت (قرآن) کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' یہاں آیت میں قرآن کریم کا ذاتی نام ''قرآن'' لانے کی بہ جائے وصفی نام ''الذکر'' بہ معنی نصیحت لایا گیا ہے تاکہ ہم سب پر واضح ہو جائے کہ قرآن کریم نصیحت تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ یہ قابل فہم بھی ہو۔ اگر یہاں ''الذکر'' کی بہ جائے ''القرآن'' لایا جاتا تو قرآن کا محفوظ ہونا تو واضح ہو جاتا لیکن اس کا قابل فہم نصیحت ہونا واضح نہ ہو پاتا۔ پس یہ سمجھ لینا پرلے درجے کی حماقت ہے کہ تیرہ سو سال تک پوری امت قرآن کریم کو پڑھنے اور پڑھانے کے باوجود اسے سمجھنے سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایسی قاصر رہی کہ یہ تمیز ہی نہ کر سکی کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ شرک عظیم، نیکیاں برباد کر دینے والا اور خلاف عقل ہے اور اس کا علم تیرہ سو سال کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی جیسے ایسے شخص کو ہوا جو خود بھی سال ہا سال اسی حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر قائم رہا تھا اور بعد میں وفات عیسیٰ علیہ السلام کا قائل ہو کر پہلے مسیح موعود اور پھر کوئی نو دس سال کے بعد نبی ہونے کا مدعی ہو گیا۔ اگر حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ واقعی شرک ہے تو اوّلاً سچا نبی تو ظہور نبوت سے پہلے یا بعد میں لحہ بھر کے لئے بھی شرک جیسے اکبر الکبائر کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔ یہ تصور بدیہی طور پر نہایت بیہودہ، لغو اور خلاف عقل ہی نہیں بل کہ انتہائی مضحکہ خیز بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو سال ہا سال تک ایسے عقیدے پر قائم رکھے جو شرک عظیم، نیکیوں کو کھا جانے والا اور عقل کے خلاف ہو خود مرزا قادیانی کو بھی اس کا بھرپور اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ایسی لغزشوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور اگر کہیں ان سے کوئی معمولی لغزش بھی ہو جائے تو رحمت الٰہی جلد تر اس کا تدارک کر دیتی ہے اور ایسے لوگوں کے شجرۂ طیبہ میں اگر کوئی شاخ خدا کو سوکھی نظر آئے تو وہ اسے فی الفور کاٹ ڈالتا ہے۔ مرزا صاحب کی کتب سے متعلقہ اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں۔ پھر بھی ایسے کسی بے ہودہ تصور کے لئے اجتہادی خطا وغیرہ کا عذر لنگ تراشنا مزید مضحکہ خیز ہے۔ ثانیاً اگر حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ واقعی شرک ہے اور قرآن کریم کی متعلقہ تعلیم واقعی تیرہ سو برس تک امت پر پوشیدہ اور مشتبہ رہی تو بہت پہلے سے کوئی رسول اور نبی آجانا چاہئے تھا۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو تیرہ سو سال کے بعد نبی بناتا جو سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد بھی باقرار خود سال ہا سال تک مشرکانہ عقیدے پر قائم رہا ہو جو خود اپنی زبان سے اعتراف کرتا ہو کہ میں کوئی بارہ سال تک اللہ تعالیٰ کے الہامات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پایا تھا میں تو

۱۸۸۰ عیسوی میں براہین احمدیہ کی تصنیف کے وقت سے ہی مسیح موعود تھا لیکن میں غلطی سے اپنے آپ کو محض مامور من اللہ، مجدد، مُحدث و ملہم اور اس کے بعد مثیل مسیح قرار دیتا رہا، حال آں کہ میں ان ہی الہامات کی رو سے حقیقی مسیحی موعود تھا اور جو اپنی زبان سے یہ اعتراف بھی کرتا ہو کہ میں ۱۹۰۱ عیسوی سے پہلے کوئی اکیس سال تک براہین احمدیہ میں مذکور اپنے ان الہامات کو صحیح سمجھ نہیں پایا تھا جو مجھے حقیقی نبی بنا رہے تھے اور مجھے ختم نبوت کا صحیح مفہوم معلوم نہیں ہو سکا تھا، حال آں کہ میں تو براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانے یعنی ۱۸۸۰ عیسوی ہی سے حقیقی نبی تھا مگر میں متعلقہ الہامات کو غلطی سے مجازی معنی پہناتا رہا۔ اور جو مسیحیت و نبوت کے اپنے دعوے سے پہلے ان لوگوں کو مفتری اور کذاب کہتا رہا ہو جو اپنی ایمانی فراست کی بنا پر تاڑ گئے تھے کہ اس شخص کے (مزعومہ) الہامات میں نبوت کا دعویٰ مضمر ہے۔ جو خود برملا اعتراف کرتا رہا ہو کہ مجھے مراق اور ہسٹیریا جیسی دماغی بیماریاں لاحق ہیں اور مراقی و ہسٹیریائی ہونے کے اس کے اپنے اعتراف نے لوگوں کو بھرپور جواز فراہم کر دیا ہو کہ وہ اسے مراقی مسیح موعود اور ہسٹیریائی نبی قرار دیں اور جس سے اللہ تعالیٰ نے زبان قال سے نہیں تو زبان حال سے کچھ یوں گلہ شکوہ فرمایا ہو: ''اے میری مراقی نبی اور ہسٹیریائی مسیحی موعود! تو پچھلے کئی سالوں سے میری طرف سے مبعوث مسیح موعود، نبی اور رسول ہے۔ تجھ پر میری طرف سے جو وحی نازل ہوتی رہی بدقسمتی سے تو اسے سمجھنے سے مدت دراز تک قاصر رہا۔ جو لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اس وحی اور ان الہامات میں مسیح موعود اور نبی ہونے کا دعویٰ موجود ہے وہ تو میری وحی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ گئے تھے لیکن تو ان کو مفتری اور کذاب کہتا رہا۔ تو بارہ سال تک یہ نہ سمجھ سکا کہ تو ہی مسیح موعود ہے تو لوگوں سے یہ غلط کہتا رہا کہ میں تو صرف مامور من اللہ، مجدد، مُحدث، و ملہم (الہام یافتہ) ہوں۔ اے میرے مراقی نبی! میری طرف سے بہت سے الہامات تیری عقل میں نہیں آتے تھے اس لئے اُنہیں سمجھنے کے لئے تجھے ایک ہندو لڑکے کی مدد حاصل کرنی پڑتی تھی پھر بھی تجھے اطمینان نہ ہوتا تو تو اپنے مریدان باصفا سے ان الہامات کا مطلب دریافت کیا کرتا تھا، مرید بھی وہ جو بعد میں قادیانی شریعت کی رو سے مرتد ہو گئے تھے۔ ہاں! جو الہامات میں نے تجھ پر انگریزی زبان میں نازل کئے تھے تو تو نے اس انگریزی زبان کی ایسی قدر افزائی کی اور یہ الہامات تو نے لوگوں کے سامنے ایسی پیاری انگریزی میں پیش کئے کہ تیرے مخالفین بے اختیار چیخ اُٹھے کہ مراقی نبی کے اللہ میاں کی انگریزی (معاذ اللہ) پانچویں جماعت کے بچے کی انگریزی سے بھی کہیں زیادہ کمزوری ہے۔ اے میرے مراقی نبی اور اے میرے ہسٹیریائی مسیح موعود! تو لوگوں سے یہ بھی کہا کرتا تھا کہ یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اس پر الہام اور وحی کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ پھر کسی اور نے نہیں بل کہ

تو نے اور صرف تو نے ہی لوگوں پر یہ حیران کن انکشاف بھی کر دیا کہ بعض الہامات تجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے تجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی، سنسکرت اور عبرانی وغیرہ۔ اے میرے مراقی نبی! میں نے تجھے ۱۸۸۰ عیسوی میں ہی مسیح موعود بنایا تھا لیکن تو اس قدر کند ذہن ثابت ہوا کہ تجھے بارہ سال کے بعد اپنے حقیقی مسیح موعود ہونے کا پتہ چلا اور نبی ہونے کا تجھے پھر بھی پتہ نہ چلا اور جو لوگ کہتے تھے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو غصے سے تیری آنکھیں لال پیلی ہو جاتی تھیں اور منہ میں جھاگ بھر آتا تھا اور تو نہایت شدومد سے اُنہیں کذاب ومفتری کہا کرتا تھا پھر کہیں کوئی اکیس سالوں کے بعد جا کر ۱۹۰۱ عیسوی میں تجھے پتہ چلا کہ تو واقعی ۱۸۸۰ عیسوی سے ہی براہین احمدیہ میں مذکور الہامات کی بنا پر حقیقی نبی اور حقیقی رسول تھا۔ اے میرے مراقی نبی! تیری باتیں بھی نرالی اور تیرے کام بھی عجیب ہیں مثلاً تجھے ذیابیطس کی بیماری ہے تو استنجے کے لئے اپنی جیب میں مٹی کے ڈھیلوں کے ساتھ گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتا ہے کیوں کہ تجھے شیرینی سے بہت پیار ہے۔ تو بارہا ایک بٹن کا کاج دوسرے میں لگا لیتا ہے، تو بسا اوقات اپنا دایاں پاؤں بائیں جوتے میں اور بایاں پاؤں دائیں جوتے میں ڈال لیا کرتا ہے، اس غلطی سے بچنے کے لئے ایک طرف سیاہی کا نشان لگانا پڑتا ہے۔ جب تو کھانا کھاتا ہے تو تجھے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا کھا رہا ہوں جب تک کہ کھاتے کھاتے کوئی کنکر کا ریزہ دانت کے نیچے نہ آجائے۔ تو کوٹ، صدری، ٹوپی، عمامہ رات کو اُتار کر اپنے تکیے کے نیچے ہی رکھ لیتا ہے جس سے یہ کپڑے بستر پر سر اور جسم کے نیچے مسلے جاتے ہیں اور ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی فیشن کا دل دادہ اور سلوٹ کا دشمن ان کو دیکھ لے تو سر پیٹ لے۔ اے میرے ہسٹیریائی نبی اور اے میرے مراقی مسیح موعود! تو نے اگر جہاد کو حرام اور انگریز کی حکومت کو خدا کا انعام قرار دیا تھا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ تو مرغی کا بچہ بھی ذبح نہ کر پاتا اور چھری اپنی ہی انگلی پر پھیر لیتا۔ تیرے عقیدت مند تو تیرے ان کاموں پر یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ تجھے دنیا سے بہت بے رغبتی ہے لیکن اے میرے مراقی نبی! تو نے میرے راز کو ناحق اُگل دیا اور تو نے لوگوں کے ہاتھ میں یہ ہتھیار بھی تھما دیا کہ تجھے مراق کی بیماری ہے، تجھے ہسٹیریا ہے۔ اگر تو خاموش رہا کرتا تو رسوائی سے بھی بچا رہتا اور تیری مسیحیت اور نبوت بھی لوگوں کی نظر میں بہت زیادہ مضحکہ خیز نہ رہتی۔ تو اسی مراق اور ہسٹیریا کے زیر اثر ایسی ایسی الٹی سیدھی، متضاد اور متناقص باتیں لوگوں سے کہتا رہتا ہے کہ تجھ پر لوگوں کی یہ بات بالکل درست بیٹھتی ہے:

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
اس نرالے نبی کا کیا کرے کوئی

تو لوگوں سے یہ بھی کہتا رہا کہ قرآن کریم کے سچے متبعین ہر غلطی سے معصوم اور ہر لغزش سے محفوظ ہوا کرتے ہیں اور اگر شاذ و نادر ان سے کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر ان ہیں لمحہ بھر کے لئے بھی قائم نہیں رہنے دیتا اور رحمت الٰہیہ فی الفور ان کا تدارک کر لیتی ہے مگر اے میرے ہسٹیریائی نبی! تو قرآن کا صرف سچا متبع ہی نہیں بل کہ مسیح موعود اور نبی بھی تھا پھر بھی تو ٹھوکریں ہی کھاتا رہا۔ میرے جن الہامات کو تو نے بعد میں متشابہ قرار دیا تو اس سے پہلے سال ہا سال تک ان کی غلط تشریح کرتا رہا اور رحمت الٰہیہ نے تیرا فی الفور تدارک نہ کیا یا یہ سمجھ لو کہ تیرے لئے یہ ''فی الفور'' بارہ سال اور اکیس سال کے برابر تھا۔ تو نے براہین احمدیہ میں قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ شد و مد سے بیان کیا پھر سال ہا سال کے بعد تیری سمجھ میں آیا کہ یہ تو مسلمانوں کا محض رسمی عقیدہ ہے اور یہ تو شرک عظیم ہے۔ اگر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی آیات کا صحیح مطلب سمجھ نہیں سکا تھا اور میرے الہامات بھی تیرے سر کے اوپر اوپر سے گزر جاتے تھے تو تو ان کی غلط تاویل و تشریح کی بہ جائے اپنی زبان بند رکھتا۔ اگر تو بہ قول خود میرے کھلے کھلے الہامات اور میری صاف صاف وحی کو سمجھنے میں بھی سادگی کا شکار ہو گیا تھا تو بہتر ہوتا کہ تو ادھر ادھر کی غلط سلط، متضاد اور متناقص باتیں کرنے اور اپنے لئے بعد میں مشکلات پیدا کرنے اور خود اپنے ہی قلم سے اپنے آپ کو مشرک عظیم، ماکول الحسنات اور بے عقل وغیرہ وغیرہ ثابت کرنے کی بہ جائے منقار زیر پر رہتا اور جو تیرے مخالفین تجھ پر نازل ہونے والے میرے الہامات کو بالکل ٹھیک سمجھ رہے تھے تو انہیں مفتری اور کذاب نہ کہا کرتا اور اپنی ان بے جا حرکتوں سے بعد میں تو خود ہی مفتری اور کذاب قرار نہ پاتا۔ لیکن اے میرے مراقی نبی اور ہسٹیریائی مسیح موعود! تو وہ کچھ کہتا اور کرتا رہا جو بعد کے تیرے اپنے اعتراف کے مطابق حقیقت سے کوسوں دور تھا اور تو بعد میں مان گیا کہ یہ تو سب کچھ سادگی اور بے خبری کی بناء پر کہتا رہا تھا اور یہ کہ یہی معصومانہ سادگی تیری صداقت پر دلیل ہے۔

اے میرے مراقی و ہسٹیریائی نبی! مجھے تیرے متعلق اور بھی بہت سی شکایات ہیں مثلاً تو میرا نام لے کر خواہ مخواہ لگاتار جھوٹی پیشین گوئیاں کرتا رہا مثلاً کہ تیرا نکاح محمدی بیگم سے ہونا اور اس کے شوہر مرزا سلطان محمد کا تیری زندگی میں ہی مر جانا تقدیر مبرم ہے اور مثلاً تو نے پیر منظور محمد کے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی اسے جھوٹی بشارت دے ڈالی۔ تو نے ڈاکٹر عبدالحکیم آف پٹیالہ کو میرا نام لے کر وعید سنا دی کہ وہ تیری زندگی میں تجھ سے پہلے مر جائے گا، حال آں کہ اے میرے مراقی نبی! میرا اس طرح کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تجھے کہاں تک شرمندہ کرتا چلا جاؤں آخر تو میرا نبی ہے اس لئے ابھی اتنا ہی کافی ہے لیکن میں آخر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اے میرے نبی! تو تو مراق کے زیر اثر بہت کچھ کہتا اور کرتا رہا لیکن تیرے بھولے بھالے

عقیدت مندوں کے لئے ضروری تھا کہ تجھے اچھی طرح پہچاننے کے لئے تھوڑی سی زحمت بھی گوارا کرلیا کرتے اور تجھ سے نری عقیدت پر ہی اکتفانہ کرتے والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اوپر جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کے متعلق مرزا صاحب کی کتب سے متعلقہ حوالے کچھ تو پیش کئے جاچکے ہیں دیگر متعلقہ حوالے مرزا صاحب کی اور اہم قادیانی حضرات کی کتب سے آئندہ مباحث میں مناسب مواقع پر یہ پیش کرتے چلے جائیں گے۔ خوب غور کیجئے اگر مرزا غلام احمد قادیانی کو واقعی اللہ کا سچا نبی سمجھ لیا جائے اور ان کی تصانیف کو معتبر قرار دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے (مفروضہ) نبی کے متعلق جو تصور ذہن میں اُبھرتا ہے وہ کسی بھی سلیم الحواس اور صحیح الطبع شخص کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ وما علینا الا البلاغ المبین

۱۱۔ یہاں سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ پیغمبر کو بل کہ کسی کو بھی اجتہادی غلطی صرف ان ہی امور میں ہوسکتی ہے جہاں وحی کے ذریعے رہ نمائی حاصل نہ ہو۔ وحی کو ہی سمجھ نہ پانا ہرگز اجتہادی غلطی نہیں بل کہ ایسی وحی یقیناً شیطانی وحی اور اس مدعی یقیناً جھوٹا نبی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ شرم ناک جھوٹ ہے کہ اسرائیلی انبیاء علیہم السلام اور خود خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی وحی کو اور وحی پر مبنی پیشگوئیوں کو سمجھنے میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) غلطی میں پڑ جاتے تھے۔ محرف بائبل کے حوالے ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتے۔ سال ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے سفر حدیبیہ کو اس معنی میں اجتہادی غلطی قرار دینا کہ آپ متعلقہ منامی وحی کو (معاذ اللہ) سمجھ نہیں پائے تھے، پرلے درجے کی جہالت اور بدفہمی کا مظاہرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں کے ہم راہ عمرہ کرتے دیکھا تو اس خواب کے سمجھنے میں ہرگز آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ عمرہ کس سال ہوگا اس کی اطلاع آپ ﷺ کو خواب میں دی ہی نہیں گئی تھی کہ خواب کے ٹھیک سمجھ پانے یا نہ پانے کا کوئی سوال پیدا ہو۔ اگر آپ ﷺ نے فرمایا ہوتا کہ عمرہ اسی سال ہوگا اور اگر عمرہ اسی سال نہ ہوا تو مجھے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایسا اور ایسا سمجھا جائے تو مرزا صاحب کا اس طرح کی مثالیں دینا قابل فہم ہوسکتا تھا۔ مرزا صاحب تو اپنی بدقسمتی سے پیشین گوئیاں کرتے وقت یوں کہاں کرتے تھے کہ اگر مثلاً عبداللہ آتھم پادری پندرہ ماہ کی مقررہ میعاد کے اندر نہ مرا تو مجھے روسیاہ کیا جائے، مجھے پھانسی دی جائے وغیرہ (۱۵/ب) اگر محمدی بیگم سے میرا نکاح نہ ہوا اور اگر یہ پیشین گوئی خدا کی طرف سے نہیں تو میں نامراد، ملعون، مردود، ذلیل اور دجال ہوں۔ (۱۵/ج) اللہ تعالیٰ اپنے سچے پیغمبروں کی زبان پر ہرگز ایسے کلمات جاری نہیں فرماتا جو اسے (معاذ اللہ) جھوٹا ٹھہرا کر اس کی شدید رسوائی اور ذلت وخواری کا سبب بنیں۔ ہجرت مدینہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ ﷺ کا مقام ہجرت ایک نخلستانی علاقہ ہے۔ اس وقت آپ کو یہ بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ اس سے خاص

یثرب (مدینہ منورہ) کا شہر ہی مراد ہے۔ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہوتا کہ یمامہ اور ہجر مقام ہجرت ہے اگر ایسا نہ ہوا تو مجھے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایسا اور ایسا سمجھا جائے تو مرزا صاحب کی اس طرح کی مثالیں درست ہو سکتی تھیں۔ جب پہلے پہل آپ ﷺ کو بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ نخلستانی علاقے سے کون سا خاص شہر مراد ہے تو خواب یا وحی کو ٹھیک سمجھ پانے یا نہ پانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رسالت و نبوت کے کسی مدعی کو اللہ تعالیٰ نے خواب کی تعبیر نہ بتائی ہو یا وحی کی تشریح نہ کی ہو اور مدعی رسالت خود ہی ایسی تعبیر بیان کرے اور وحی کا ایسا مطلب بیان کرے جس کے صحیح ہونے پر وہ اصرار کرے حال آں کہ وہ اس کے اپنے بعد کے بیان کے مطابق غلط ہو اور جو لوگ اس کی مزعومہ وحی کا صحیح مطلب بیان کریں اُنہیں وہ شد و مد سے کذاب اور مفتری کہے اور بعد میں سال ہا سال کے بعد تسلیم کرے کہ میں نہایت سادگی سے اپنی وحی کا مطلب غلط بیان کرتا رہا ہوں اور میری یہ سادگی میری صداقت پر دلیل ہے تو ایسا مجنونانہ کلام ہرگز کسی سچے نبی کا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی سچے پیغمبروں کا یہ انداز بیان اور پیرایہ دعوت ہوا کرتا ہے۔ مرزا صاحب نے جب براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) لکھی تو صاحب فراست لوگ تاڑ گئے کہ یہ شخص مسیحیت اور نبوت کا مدعی ہے لیکن مرزا صاحب ان حضرات کو ناحق مفتری اور کذاب کہتے رہے۔ چناں چہ اُنہوں نے مثلاً اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ (۱۸۹۳ء) میں لکھا ''لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا ہے اور کہہ دیا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا قول قطعاً جھوٹ ہے جس میں سچ کا شائبہ نہیں اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔'' (۱۶/ الف)

ازالہ اوھام (۱۸۹۱ء) میں مرزا صاحب نے لکھا ''میں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں جو شخص میرے پر یہ الزام لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بل کہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔'' (۱۶/ ب) لیکن بعد میں مرزا صاحب نے جب پینترا بدلا تو ان لوگوں کی بات سو فیصد درست نکلی جو کہتے تھے کہ مرزا صاحب شروع ہی سے نبوت کے مدعی ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ مرزا صاحب اپنے ان مخالفین کو لگاتار مفتری اور کذاب کہتے رہے، لیکن اصل مفتری اور کذاب کون تھا اس کا فیصلہ کرنا کسی بھی عقل مند کے لئے قطعاً دشوار نہیں، وہی مرزا صاحب جو پہلے اللہ کو گواہ بنا کر یہ کہتے رہے کہ اللہ جانتا ہے جو مجھے نبوت کا مدعی قرار دے رہے ہیں ان کا قول قطعاً جھوٹ ہے۔ اور میں اسی اللہ کو گواہ بنا کر اپنے سابقہ موقف سے یوں پھر جاتے ہیں اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔'' (۱۶/ ج) مرزا صاحب دافع البلا (۱۹۰۲ء) میں لکھتے ہیں ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' (۱۷/ الف)۔ اپنا مؤقف بدلنے پر مرزا صاحب نے

اپنی کتاب اعجاز احمدی (۱۹۰۲ء) میں یہ دل چسپ عذر پیش کیا کہ ''باوجوے کہ براہین احمدیہ میں صاف اور روشن طور پر مسیح موعود ٹھہرایا گیا تھا مگر پھر بھی نے بوجہ اس میں ذہول کے جو میرے دل پر ڈالا گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا پس میری کمال سادگی اور ذہول پر یہ دلیل ہے کہ وحی الٰہی مندرجہ براہین تو مجھے مسیح موعود بناتی تھی مگر میں نے اس رسمی عقیدے کو براہین (احمدیہ) میں لکھ دیا۔ میں خود تعجب کرتا ہوں کہ میں نے باوجود کھلی کھلی وحی کے جو براہین احمدیہ میں مجھے مسیح موعود بتاتی تھی کیوں کر اس کتاب میں یہ رسمی عقیدہ لکھ دیا۔ پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آ گیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے تب تواتر سے اس بارے میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ خدا نے میری نظر کو پھیر دیا۔ میں براہین (احمدیہ) کی اس وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے۔ یہ میری سادگی تھی جو میری سچائی پر ایک عظیم الشان دلیل تھی ورنہ میرے مخالف مجھے بتا دیں کہ میں نے باوجودیکہ براہین احمدیہ میں مسیح موعود بنایا گیا تھا بارہ برس تک یہ دعویٰ کیوں نہ کیا اور کیوں براہین احمدیہ میں خدا کی وحی کے خلاف لکھ دیا۔'' (۱۷/ب) مرزا صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں ''کمال سادگی، ذہول، تعجب بے خبر اور غافل رہا'' جیسے کلمات پر غور فرمایئے اور مرزا صاحب کی شاطرانہ چالوں کی داد دیجئے۔ مرزا صاحب بہ قول خود کمال سادگی کی وجہ سے سال ہا سال تک وحی کا صحیح مطلب نہیں سمجھ پائے تھے۔ قربان جایئے اس سادگی پر کہ اپنے مزمومہ الہامات اور وحی کو سال ہا سال تک نہ سمجھنے اور براہین احمدیہ میں بہ قول خود غلط اور رسمی باتیں لکھ ڈالنے، مزمومہ الہامات کی غلط تشریح کرنے اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان ہیں عرصہ دراز تک ڈانٹ ڈپٹ پلانے اور اُنہیں مفتری اور کذاب ٹھہرانے اور اُنہیں بے فہم قرار دینے اور پھر سال ہا سال کے بعد نبوت کا دعویٰ داغ دینے کو وہ دلیل مسیحیت و نبوت قرار دیتے ہیں!!! کیا واقعی مرزا صاحب مراق اور ہسٹیریا جیسے اپنے اعترافی ذہنی امراض کے تحت سال ہا سال تک کمال سادگی، ذہول، غفلت اور بے خبری میں پڑے رہے تھے؟ مثل مشہور ہے۔ دیوانہ بکار خویش ہوشیار کہ دیوانہ بھی اپنے مطلب کے لئے ہوشیار ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کا ابتدا ہی سے یہ منصوبہ دکھائی دے رہا ہے کہ وہ منصب نبوت اور مسیحیت تک پہنچنے کے لئے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے اور نہایت ہی احتیاط سے کام لے رہے تھے لیکن کسی خاص ذہنی کیفیت کے تحت اُنہوں نے اپنے اس سربستہ راز کو فاش کر دیا وہ اپنی کتاب اربعین نمبر۲ (۱۹۰۰ء) میں یہ لکھ بیٹھے

''اور یہ الہامات اگر میری طرف سے اس موقع پر ظاہر ہوتے جب کہ علماء مخالف ہو گئے تھے تو وہ لوگ ہزار ہا اعتراض کرتے لیکن وہ ایسے موقع پر شائع کئے گئے جب کہ یہ علماء میرے موافق تھے۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر اُنہوں نے اعتراض نہیں کیا کیوں کہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی بنیاد ان ہی الہامات سے پڑی ہے اور ان ہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ اُنہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں وہ پھنس گئے۔'' (۱۷/ج) مرزا صاحب بھرپور اعتراف کر رہے ہیں کہ براہین احمدیہ میں اُنہوں نے اپنے اوپر نازل ہونے والے جو الہامات لکھے تھے ان سے ان کا اصل مقصد علماء کو پیچ میں پھنسانا تھا، چناں چہ ان ہی الہامات کی بنا پر وہ پہلے مثیل مسیح بنے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ الہامات تو مرزا صاحب کو حقیقی مسیح ظاہر کر رہے ہیں اُنہیں مرزا صاحب نے بدفہم اور جھوٹے قرار دیا۔ اسی طرح بارہ سال گزارنے کے بعد براہین احمدیہ میں مذکور ان ہی الہامات کی بنیاد پر اُنہوں نے باقاعدہ مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے مزید کوئی نو سال تک وہ ان لوگوں کو مفتری اور کذاب کہتے رہے۔ جو یہ کہتے تھے کہ مرزا صاحب نبوت کے مدعی ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد عدم اجرائے نبوت کے صحیح اور اجماعی عقیدے کی حماعت میں وہ بہ ظاہر سرگرم رہے اور براہین احمدیہ میں مذکور الہامات کی تاویلیں کرتے رہے پھر ۱۹۱۰ عیسوی میں اُنہوں نے اپنے حقیقی نبی اور حقیقی رسول ہونے کا دعویٰ بھی داغ دیا اور براہین احمدیہ میں مذکور جن الہامات کی وہ پہلے طرح طرح سے تاویلیں کر رہے تھے، ان ہی الہامات کو اُنہوں نے اپنی حقیقی نبوت و رسالت کا بھی سرچشمہ قرار دیا۔ چناں چہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' (۱۹۰۱ء) میں وہ لکھتے ہیں ''چناں چہ وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک وحی اللہ ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (دیکھو صفحہ ۴۹۸ براہین احمدیہ۔) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہ پھر اسی کتاب میں اس مکالمے کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے **محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم** اور اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (۱۸/الف) یعنی مرزا صاحب ۱۸۸۰ عیسوی کی اپنی کتاب براہین احمدیہ میں مذکور اپنے الہامات کی بنا پر کوئی بارہ سال تک اپنے مثیل مسیح ہونے کی رٹ لگاتے رہے اور مسیح موعود ہونے کا انکار کرتے رہے پھر یہ بہانہ کیا کہ میں الہامات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکا تھا میں تو ۱۸۸۰ عیسوی سے ہی حقیقی مسیح موعود تھا پھر مزید کوئی نو سال کے بعد یہ

دعویٰ بھی داغ دیا کہ میں تو ۱۸۸۰ عیسوی سے رسول بھی تھا لیکن میں اسے مجازی معنی پہناتا رہا اب ۱۹۰۱ عیسوی میں مجھے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ سے میں مرزا غلام احمد قادیانی ہی مراد ہوں۔ حال آں کہ یہی مرزا صاحب اپنی متعدد کتابوں میں اپنے معصوم عن الخطاء ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے اور یہ بھی لکھ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے لحہ بھر کے لئے کسی خطا پر قائم نہیں رہنے دیتا اور مجھے ہر لغزش سے بچالیتا ہے۔ (۱۸/ب) تو بارہ اور اکیس سال تک وہ اپنی سادگی اور ذہول کا عذر کس منہ سے پیش کر سکتے ہیں؟ اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر واضح ہو چکی کہ مرزا صاحب اپنی ان چالاکیوں اور شاطرانہ چالوں سے علماء اور عوام کو پیچ میں پھنسانا چاہتے تھے جیسا کہ اوپر ان کے اپنے اعترافی بیان سے واضح ہو چکا ہے۔ مگر وہ مکافاتِ عمل کے اس قانون کو فراموش کر بیٹھے **امیریدون کیداً فالذین کفروا ھم المکیدون** ......(۱۸/ج) ''کیا وہ کسی فریب کا ارادہ رکھتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہی فریب خوردہ ہیں۔'' واقعی مرزا صاحب جیسے خود فریب نفس کا شکار ہوئے انہوں نے متعدد علماء کو پیچ میں پھنسا لیا تھا۔ ان میں جو بدقسمت تھے وہ تادم آخر فریب میں مبتلا رہے کچھ مولانا محمد حسین بٹالویؒ جیسے خوش قسمت نکلے جنہوں نے بالآخر مرزا صاحب کو سر سے پاؤں تک بخوبی پہچان لیا اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کے ازالے کے لئے سرگرم عمل رہے۔ لدھیانہ کے مولانا عبدالعزیزؒ اور مولانا محمدؒ پسران مولانا عبدالقادرؒ نے مرزا صاحب کی اوّلین تصنیف براہین احمدیہ کے مطالعے سے ہی ان کے مستقبل کے عزائم کو پہچان لیا اور ان پر کفر کا فتویٰ جاری فرمایا۔ یہ صاحب فراست اور دور اندیش ثابت ہوئے اور برصغیر میں تحریک تحفظ ختم نبوت و ناموس رسالت کے اوّلین بانی اور رہنما ہونے کا شرف انہیں بجا طور پر حاصل ہوا۔ اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مولانا عبدالعزیزؒ راقم الحروف کے نانا محترم مولانا محمد سلیمؒ کے نانا تھے۔

مرزا قادیانی کا یہ کہنا ہے کہ ان پر بارش کی طرح نازل ہونے والی (مزعومہ) وحی نے سابقہ عقائد مہ تبدیل کرنے پر انہیں مجبور کر دیا۔ ہم آئندہ مباحث میں ''شیطانی وحی'' کے عنوان کے تحت ان شاء اللہ العزیز ناقابل تردید دلائل سے خود مرزا صاحب کی تحریروں سے یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ ان پر شیطانی وحی کا نزول ہوا کرتا تھا۔ نبوت کے جس مدعی پر ایک مرتبہ کا بھی وحی شیطانی کا نزول ثابت ہو جائے تو اس کے متنبی ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ مرزا صاحب پر تو بار بار اس کا نزول ہوا۔ یہاں سر دست یہ معلوم کرنا ہی کافی ہے کہ مثلاً مرزا صاحب کو تیسری شادی کا انتظار ہی نہیں بل کہ یقین کامل تھا وہ اپنے دست راست اور محرم راز حکیم نورالدین (قادیانیوں کے پہلے خلیفہ) کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ''دراصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لئے اشارہ غیبی ہوا ہے تب سے خود

طبیعت متفکر و متردد ہے اور حکم الٰہی سے گریز کی جگہ نہیں مگر بالطبع کارہ ہے اور ہر چند اوّل اوّل یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف رہے لیکن متواتر الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے'' (۱۹/ الف)۔ غور کیجئے مرزا صاحب پر اپنی تیسری شادی کے لئے اس قدر متواتر الہامات و کشوف ہوئے کہ گو بہ قول ان کے ان کا اپنا دل اس تیسری شادی پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو حکم الٰہی کے سامنے مجبور پا رہے تھے اور اسے تقدیر مبرم قرار دے چکے تھے۔ لیکن مرزا صاحب اس تیسری شادی کی حسرت لئے قبر میں اُتر گئے۔ شادی نہ ہونا تھی اور نہ ہوئی۔ یہ متواتر الہامات، یہ بارش کی طرح کشوف اور یہ تقدیر مبرم سب کچھ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ پس شیطانی الہامات بارش کی طرح بھی کسی پر ہوں تو وہ ہرگز رحمانی وحی میں تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ الغرض جب مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہوتیں تو کوئی عبرت پکڑنے کی بہ جائے یہ شرم ناک جھوٹ بولتے کہ اسرائیلی انبیاء علیہم السلام اور خود رسول اکرم ﷺ بھی بعض اوقات وحی کو اور وحی پر مبنی پیشین گوئیوں سمجھنے میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) غلطی کر جاتے تھے۔

ج: بہ حوالہ عذر عدم وضاحت و بے خبری: قادیانی اخبار الفضل میں مرقوم ہے ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا غلام احمد قادیانی۔) نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ماننا شرک ہے لیکن پہلے ''براہین احمدیہ'' میں خود یہ عقیدہ بیان کر چکے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ پھر آپ بھی شرک کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمارا یہی جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ آپ نے اس وقت یہ خیال ظاہر کیا تھا جب قرآن کریم اور الہام الٰہی سے وضاحت نہیں ہوئی تھی۔ شرک کے مرتکب وہ ہیں جو اس وضاحت کے بعد بھی ایسا کرتے ہیں۔'' (۱۹/ ب) قادیانی اخبار نے متنبی قادیان مرزا غلام احمد قادیانی کے حق میں عدم وضاحت، بے خبری اور لاعلمی کا جو مذکورہ بالا عذر پیش کیا ہے، کیا اسے قبول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو یہی بات درست ہے۔ اگر کہا جائے کہ قبول کیا جا سکتا ہے تو یہ قول درج ذیل وجوہ کی بنا پر مردود ہے:

۱۔ سابقہ عنوان کے تحت یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) مرزا صاحب کی وہ کتاب ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کتاب پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا تھا اس سلسلے میں اُنہوں نے اپنا ایک خواب لکھا ہے کہ جب یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں آئی تو یہ فوراً خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی تھی جو بہ قدر تربوز تھا۔ جب آپ نے اسے تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کیا تو اس سے اتنا شہد نکلا کہ آپ کی کہنی مبارک تک پہنچ گیا۔ اب اگر اسی کتاب میں حیاتِ عیسیٰ والا وہ عقیدہ بھی موجود تھا جسے کوئی بارہ سال کے بعد مرزا صاحب نے شرکِ عظیم قرار دے ڈالا تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرزِ عمل سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایک

ایسی کتاب کی تصدیق وتوثیق فرمائی تھی جس میں مشرکانہ عقائد کی تعلیم دی گئی تھی۔ رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی بہ جائے کیوں نہ مرزا غلام احمد قادیانی ہی کو کذاب اور مفتری تسلیم کیا جائے؟ کسی مشرکانہ عقیدے کی حامل کتاب اگر میوہ بن جائے تو اس سے شہد کے بہ جائے کچھ اور نکلنا چاہئے تھا۔ سابقہ مباحث میں مرزا صاحب کی ۱۸۸۰ء سے لے کر ۱۹۰۳ء تک کی کتب سے حوالے پیش کئے جا چکے ہیں جن میں مرزا صاحب اپنے معصوم عن الخطا ہونے کا صاف دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں مثلاً نور الحق (۱۸۹۴ء) میں وہ لکھتے ہیں: ان اللہ لا یترکنی علی خطاء طرفۃ عین و یعصمنی من کل مین (۱۹/ج) ''اللہ مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی غلطی پر باقی نہیں رہنے دیتا اور وہ مجھے ہر غلط بات سے محفوظ رکھتا ہے۔''

براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں بھی انہوں نے اس طرح کی باتیں لکھی ہیں کہ قرآن کریم کے سچے متبعین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت وحفاظت کی نعمت بھی عطا کی جاتی ہے اور ان سے ''اگر کوئی لغزش ہو بھی جائے تو رحمت الٰہیہ جلد تر ان کا تدارک کر لیتی ہے۔'' (۱۰/الف) اسی کتاب میں وہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ ''خداوند کریم خود ان کا متکفل ہوتا ہے اور جس شاخ کو ان کے شجرۂ طیبہ میں خشک دیکھتا ہے اس کو فی الفور اپنے مربیانہ ہاتھ سے کاٹ ڈالتا ہے اور حمایت الٰہی ہر دم اور ہر لحظہ ان کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔'' (۲۰/ب) اب اگر قادیانی لغت میں ''جلد تر، فی الفور، ہر دم اور ہر لحظہ'' سے مراد بارہ اور اکیس سال کی مدت ہوتی ہے تو قادیانی اخبار ''الفضل'' کا پیش کردہ عذر قبول کیا جا سکتا ہے ورنہ ہر عقل مند شخص مرزا صاحب اور اخبار ''الفضل'' کے اس طرح کے لغو بیانات کو جھوٹ اور فریب کا پلندہ قرار دینے پر مجبور ہے۔ یاد رہے کہ مرزا قادیانی نے براہین احمدیہ لکھنے سے کوئی بارہ سال کے بعد حقیقی مسیح موعود ہونے کا اور کوئی اکیس سال بعد حقیقی نبی ہونے کا دعویٰ یوں کیا تھا کہ یہ مناصب مجھے براہین احمدیہ کی تالیف وتصنیف کے ایام میں ۱۸۸۰ء عیسوی میں حاصل تھے اور براہین احمدیہ میں متعلقہ وحی اور الہامات بھی موجود ہیں لیکن میں کمال سادگی کی بنا پر ان الہامات کا صحیح مطلب پہلے نہیں سمجھ پایا تھا اور یہ کمال سادگی اور بے خبری ہی (بہ قول ان کے) میرے سچے ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ سابقہ عنوان کے تحت مباحث میں بحمد اللہ نا قابل تردید دلائل سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب اپنی اور اپنے صاحب زادے مرزا البشر الدین محمود کی تحریروں کی رو سے مدت العمر مشرک عظیم رہے اور مدت العمر شیاطین کا کھلونا بنے رہے۔ ان حالات میں خطائے اجتہادی، عدم وضاحت، سھو ونسیان، بے خبری اور لاعلمی جیسے تمام بہانے سرے سے خارج از بحث ہو جاتے ہیں۔

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ (۱۸۸۰۔۱۸۸۴ء) میں وحی اور الہام کو ہم معنی قرار دیا

ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ الہام بھی وحی کی طرح موجب یقین ہوتا ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں ''اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم اولیاء اللہ کے الہام کو مانتے ہیں اور اس کو خاصۂ دعوتِ محمدیہ بھی جانتے ہیں مگر اس الہام کو جو اولیاء کو ہوتا ہے علم قطعی کا موجب نہیں سمجھتے بل کہ علم ظنی کا موجب سمجھتے ہیں تو یہ قول آپ کا صرف وسوسہ ہے جس پر کوئی دلیل عقلی ونقلی قائم نہیں ہوسکتی بل کہ تجربۂ صحیحہ ومتواترہ اور آیات محکمۂ فرقانی اس کے ابطال پر دلائل قائم کرتی ہیں اور درحقیقت ایسے وساوس ان ہیں لوگوں کے دلوں میں اٹھتے ہیں کہ جو الہام الٰہی کی کامل روشنی سے بے خبر ہیں۔'' (۲۰/ج)

مرزا صاحب نے اسی براہین احمدیہ میں آسمان پر حیاتِ عیسیٰ کے عقیدہ کا اثبات قرآنی آیات سے کیا ہے۔ (۲۱/الف) قرآنی آیات سے اپنے استدلال پر اسی براہین احمدیہ میں وہ یوں فخر فرماتے ہیں'' سوم یہ امر بھی ہر ایک صاحب پر روشن رہے..... دعویٰ بھی وہی لکھا ہے جو کتاب ممدوح (قرآن کریم) نے کیا ہے اور دلیل بھی وہی لکھی ہے جو اس پاک کتاب نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے نہ ہم نے فقط اپنے قیاس سے کوئی دلیل لکھی ہے اور نہ کوئی دعویٰ کیا ہے۔'' (۲۱/ب) یہ تو براہین احمدیہ کے مضامین تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۲ عیسوی میں اپنی کتاب نزول المسیح میں لکھا ہے۔ ''جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی تجلی فرماتا ہے اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی۔'' (۱۲/ج) اور اسی کتاب میں وہ مزید لکھتے ہیں ''لیکن اگر کوئی کلام یقین کے مرتبے سے کم تر ہو تو وہ شیطانی کلام ہے نہ ربانی۔'' (۲۲/الف) اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب الہام اور وحی کو ہم معنی اور موجب یقین قرار دیتے ہیں۔ وہ براہین احمدیہ میں مذکور اپنے مزعومہ الہامات پر وحی کے لفظ کا بلا تکلف اطلاق کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ ۱۹۰۱ عیسوی عیسوی میں اپنے اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں لکھتے ہیں۔ ''چناں چہ وہ مکالمات جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک وحی اللہ ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق الخ اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے پھر..... اسی کتاب میں اس مکالمے کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے'' (۲۲/ب)۔ اب دیکھئے جب مرزا صاحب بہ زعم خویش براہین احمدیہ کی تصنیف کے سال ۱۸۸۰ عیسوی میں صاحبِ وحی تھے اور ان ہیں یہ بھی اعتراف ہے کہ وحی میں ظن اور شک کی گنجائش نہیں ہوا کرتی اور وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کلام یقین کے مرتبے سے کم تر ہو تو وہ ربانی کلام نہیں ہوسکتا بل کہ شیطانی کلام ہے۔ تو مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ میں براہین احمدیہ میں مذکور اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کو بارہ اور اکیس سال تک سمجھ نہیں سکا تھا، اس سے صاف واضح ہو گیا کہ یہ ساری وحی ہرگز ربانی نہیں تھی بل کہ شیطانی تھی۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عدم وضاحت لاعلمی اور بے خبری کے عذر یہاں ہرگز قابل قبول

نہیں ہو سکتے ۔ یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ مرزا صاحب کی مزعومہ وحی میں قرآنی آیات اور احادیث کے کلمات بھی تو ہیں تو یہ شیطانی وحی کیسے ہوگئی؟ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآنی آیات کی تلاوت کفار بھی کر لیتے ہیں اور قرآنی آیات کو آگے پیچھے کر کے ان میں اپنی طرف سے کچھ کلمات ڈال دینا اور یہ کہنا کہ یہ سب کچھ مجھ پر وحی کے ذریعے اترا ہے، قرآن کریم کی لفظی تحریف کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بھی ہے۔ ایسا کلام شیطانی کلام ہے۔ مرزا صاحب کی گم راہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ الہام اور وحی میں قطعاً کوئی فرق نہیں سمجھتے اور دونوں کو وہ علم قطعی کا موجب خیال کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مجدد، مُلہَم یا مُحدث یعنی الہام یافتہ کا الہام بالکل پیغمبر کی وحی کی طرح لوگوں پر حجت ہو تو ایسے مجدد اور پیغمبر میں کوئی حقیقی فرق ہی نہ ہوا۔ اسی غلط تصور نے مرزا صاحب کو بعد میں حقیقی نبوت کے دعوے تک پہنچا کر چھوڑا۔ اگر کوئی الہام یافتہ اپنے اوپر ہونے والے الہام کو اپنے لئے موجب یقین سمجھتا ہے اور یہ الہام قرآن وسنت کے قطعاً خلاف بھی نہ ہو تو بھی لوگوں پر حجت ہرگز نہیں کہ وہ اس الہام کو اگر تسلیم نہ کریں تو کافر ٹھہریں۔ کفر یا اسلام کا فیصلہ نبی پر نازل ہونے والی وحی کے انکار یا اقرار پر مبنی ہے کسی مجدد یا ملہم کے الہام کو ہرگز یہ حیثیت حاصل نہیں۔

۴۔ عدم وضاحت کی بنا پر یا کسی بھی وجہ سے کسی شے کے متعلق بے خبری سے حقیقت تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ اگر کوئی شخص جہالت اور بے خبری سے یہ کہے کہ (معاذ اللہ) خدا دو یا تین ہیں اور بالفرض کسی نے اسے بتایا اور سمجھایا بھی نہ ہو تو عدم وضاحت کی بنا پر اس کی بے خبری سے اللہ تعالیٰ کے اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور لاشریک ہونے کی حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ اگر کسی شخص کو علم نہ ہو کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں لاہور نام کا ایک شہر ہے اور کسی نے اسے بتایا بھی نہ ہو تو اس عدم وضاحت سے لاہور کا شہر پاکستان کی سرزمین اور نقشے سے (معاذ اللہ) معدوم نہیں ہو جائے گا۔ کسی کے جسم میں کوئی خطرناک بیماری پرورش پا رہی ہو، لیکن اسے اس کا علم نہ ہو اور کسی مستند معالج نے اسے بتایا بھی نہ ہو تو اس عدم وضاحت سے اس کا مرض صحت سے نہیں بدل جائے گا۔ کسی کافر کو اپنے کفر کا علم نہ ہو تو اس بے خبری سے وہ مومن و مسلم نہیں ہو جائے گا۔ کوئی مشرک عدم وضاحت کی بنا پر اپنے شرک سے بے خبر ہو تو اس کی یہ بے خبری اور لاعلمی اس کے شرک کو توحید سے نہیں بدل دے گی۔ بعینہ اسی طرح اگر بہ قول مرزا غلام احمد قادیانی آسمان میں حیاتِ عیسیٰ کا عقیدہ (معاذ اللہ) شرک عظیم ہے اور باعترافِ خود وہ اس پر سالہا سال تک قائم بھی رہے ہوں تو اپنے اس شرک سے اپنی لاعلمی اور بے خبری سے وہ ہرگز ہرگز موحد نہیں ہو سکتے وہ مشرک ہی رہیں گے اور عدم وضاحت کا عذر حقیقت کو نہیں بدل ڈالے گا۔ اس لئے قادیانی اخبار کا یہ مضمون کہ حیاتِ عیسیٰ کا عقیدہ شرک تو ہے لیکن چوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے شرک ہونے کا علم نہیں تھا اور اس کا

شرک ہونا ان پر واضح نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ ہرگز مشرک نہیں ہو سکتے، خاصا لغو اور مضحکہ خیز ہے۔ لوگوں کو یہ دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحب زادے اور قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب آئینہ صداقت میں لکھتے ہیں ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' (۲۲/ج)

اب دیکھئے جن بے چارے مسلمانوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا نام تک نہ سنا ہو وہ بھلا مرزا صاحب کی مزعومہ بنوت اور ان کی دعوت و تعلیم سے کیسے باخبر ہو سکتے تھے اور ان کی اس بے خبری میں ان کا قصور کیا ہے؟ اس کے باوجود سنگ دل صاحب زادہ بشیر الدین محمود ان مسلمانوں کی غیر اختیاری بے خبری پر بھی ان ہیں کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں اور ان پر کفر کی توپ سے گولہ باری فرما رہے ہیں اور ان کے نزدیک یہ لوگ اپنے کفر سے بے خبری کے باوجود بھی کافر ہیں، حال آں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام تک ان کے کافر کانوں تک نہیں پہنچا اور ان کا (مزعومہ) کفر ان پر واضح ہی نہیں لیکن مرزا بشیر الدین کے پتھر صفت دل میں ان کے لئے کوئی رحم نہیں پیدا ہوتا اور وہ ان ہیں کوئی رعایت اور کوئی گنجائش دینے میں بے حد بخل سے کام لے رہے ہیں تو انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی مبینہ عدم وضاحت کی بنا پر اپنے شرک سے بے خبری کے باوجود مشرک کیوں نہیں اور قادیانی اخبار نے کیسے دعویٰ کر دیا کہ شرک کی عدم وضاحت کی وجہ سے وہ ہرگز مشرک نہیں؟ کیا مرزا بشیر الدین محمود کے ابا جی کے لئے قانونِ مکافات الگ ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے کوئی اور قانون ہے؟ خوب غور کیجئے امتی کے لئے خطائے اجتہادی معاف ہے ادھر اللہ کا پیغمبر بعض شاذ و نادر صورتوں میں کسی مسئلے میں غلط تو کیا اگر خلافِ اولیٰ صورت بھی اختیار کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے سخت تنبیہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ادھر خیر سے مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت بھی ہیں اور اپنے اعتراف کے مطابق کوئی بارہ سال تک (اور درحقیقت سن بلوغت کے بعد کوئی انتالیس سال تک) آسمان میں حیاتِ عیسیٰ کے ایسے عقیدے پر جمے رہے جو بہ قول ان کے شرک عظیم، نیکیوں کا کھا جانے والا اور خلافِ عقل ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی (معاذ اللہ) خاموش رہا۔ اس کے باوجود قادیانی اخبار یہ فتویٰ دے رہا ہے کہ مرزا صاحب کو پتہ نہیں تھا، اس لئے وہ ''ہرگز'' مشرک نہیں ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے کبھی کبھار کوئی اجتہادی خطا سرزد ہوئی تھی یا کوئی خلافِ اولیٰ کام کیا تھا ان ہیں پہلے سے ہی علم ہوا کرتا تھا کہ ہم غلطی کرنے جا رہے ہیں، اگر انہیں پہلے ہی

سے علم ہوتا تو خطائے اجتہادی کا ان سے صدور ہی کیوں ہوتا؟ انبیاء علیہم السلام کو پہلے سے علم نہیں ہوتا کہ ان سے شاذ و نادر کسی خاص معاملے میں اجتہادی خطا ہو رہی ہے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں سخت تنبیہ ہوتی ہے۔ اب اگر اس لغو اور جھوٹے مفروضے کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے کہ عدم وضاحت اور لاعلمی کی بنا پر (معاذ اللہ) وہ شرک عظیم میں بھی بلوث ہو سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں کیسے معاف کر دے گا؟ اور پھر شرک بھی ایسا جو سال ہا سال کے عرصے پر محیط ہو۔ قادیانیوں کی اس فہم و فراست پر ان ہیں مبارک باد ہی پیش کی جا سکتی ہے کہ وہ ''عدم وضاحت، لاعلمی اور بے صبری'' کی آڑ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو کسی معمولی غلطی سے نہیں بل کہ اکبر الکبائر بارہ سالہ شرک عظیم سے بری الذمہ قرار دے رہے ہیں۔ مرزا بشیر الدین نے پوری امتِ مسلمہ کو کافر قرار دے ڈالا۔ یہ امت تو امتِ مرحومہ اور افضل الامم ہے اللہ تعالیٰ نے مرزا البشر الدین کو اسی دنیا میں یہ نقد سزا دے ڈالی کہ ان کے خانہ ساز فلسفۂ توحید و شرک کے تحت ان کے اباجی پہلے تو آسمان پر حیاتِ عیسیٰ کے قائل ہونے کی وجہ سے مشرکِ عظیم تھے۔ اس سے دست بردار ہوئے تو انہوں نے مرزا البشیر الدین محمود کے اسی فلسفۂ توحید و شرک کے تحت آسمان پر حیاتِ موسیٰ کا قائل ہو کر مشرکِ عظیم ہونے کا طوق پھر اپنے گلے میں ڈال لیا اور تادم مرگ وہ اسی حالت پر رہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے منہ سے کوئی ایسی بات نکالے جس کی اصل شریعت میں نہ ہو تو اس کے اندر شیاطین کھیل رہے ہوتے ہیں (۲۳/الف) تو کیا مرزا صاحب کے عمر بھر کے شرک کی کوئی اصل شریعت میں موجود ہے؟ اگر نہیں تو کسی اور کے کہنے پر نہیں صرف ان ہی پھر دہرایئے) صرف ان ہی تحریر سے وہ ساری عمر شیاطین کا کھلونا نہیں بنے رہے؟ اب اگر مرزا بشیر الدین بھی اپنے باپ کی طرح آسمان میں حیات موسیٰ کے قائل رہے ہوں تو اپنے ہی وضع کردہ فلسفۂ توحید و شرک کے تحت وہ خود بھی مشرکِ عظیم ٹھہرتے ہیں۔ اگر وہ حیاتِ موسیٰ کا انکار کر کے اپنے اباجی کے موقف اور عقیدے کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ان کے خیال میں ان کے اباجی ''حضرت مسیح موعود اور نبی'' ہیں تو نبی کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔ ہم ان امور کی وضاحت گزشتہ عنوان کے مباحث میں متعلقہ حوالوں کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اب بتایئے باپ اور بیٹے کے لئے ''عدم وضاحت اور بے خبری'' کا عذر کہاں تک کارگر ہو سکتا ہے؟ یہاں یہ بھی غور کیجئے کہ اللہ کا نبی تو مورد وحی ہونے کی وجہ سے شرک سے بچنے کا سب سے پہلے پابند ہے جن لوگوں نے مرزا صاحب کا کبھی نام تک نہیں سنا ان پر کوئی وحی تو اترتی نہیں، اس لئے وہ تو بے قصور ہیں۔ مرزا صاحب تو بہ زعم خویش نبی اور مورد وحی تھے۔ اگر قرآن کریم سے بھی وہ سال ہا سال تک یہ نہ سمجھ پائے کہ آسمان پر حیاتِ عیسیٰ کا عقیدہ تو بہ قول ان کے شرک عظیم ہے تو اس کا

مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایسا ناقص اور مبہم کلام ہے کہ اس سے ایک نبی تک کو بھی سال ہا سال تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ شرک کیا ہے اور توحید کیا ہے تو باقی امت اسے کیسے سمجھ سکتی ہے؟ ایسی کتاب کی حفاظت (معاذ اللہ) محض فضول اور بے مقصد ہوئی بل کہ اس کا نزول ہی (معاذ اللہ) بے معنی ہوا۔ ایسے خبیث مفروضات کو صحیح ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ بہت پہلے کوئی نبی آ کر قرآن کریم کے صحیح مطالب لوگوں پر واضح کرتا نہ کہ تیرہ سو سال کے بعد کوئی مراقی مسیح موعود اور ہسٹریائی نبی مبعوث ہوتا۔ اپنے مراقی ہونے کا مرزا غلام احمد قادیانی نے خود یوں اعتراف کیا ہے۔ ''میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہتا ہوں تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں، حال آں کہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دورانِ سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے تاہم میں اس بات کی پروا نہیں کرتا اور اس کام کو کیے جاتا ہوں۔'' (۲۳/ب) مرزا صاحب کے صاحب زادے مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے والد کے حالات پر سیرۃ المہدی کے نام سے کتاب لکھی تھی۔ اس میں وہ کہتے ہیں ''ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹریا ہے بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے، لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض ایسی عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں جو ہسٹیریا کے مریضوں میں بھی عموماً دیکھی جاتی ہیں، مثلاً کام کرتے کرتے یک دم ضعف پیدا ہو جانا، چکروں کا آنا، ہاتھ پاؤں کا سرد ہو جانا، گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا، ایسا معلوم ہونا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات زیادہ آدمیوں میں گھر کر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونا وغیرہ۔'' (۲۳/ج) مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنے منہ سے یہ اعتراف کہ مجھے ہسٹیریا اور مراق کا مرض لاحق ہے، صورتِ حال کو واضح کرنے کے لیے بڑی وزنی شہادت ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں ''لیکن دراصل بات یہ ہے'' سے آخر تک جو کچھ صاحبزادہ بشیر احمد نے لکھا ہے یہ ایجادِ بندہ ہے اور اسے مرزا صاحب کے قول کی ناحق تکذیب ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ صاحب زادے کے خیال میں ان کے اباجی نبی تھے تو انصاف کیجیے کہ نبی کی بات معتبر ہوگی یا کسی اور کی؟

مرزا بشیر احمد یہاں ہیر پھیر سے کیوں کام لے رہے ہیں، اس کی وجہ ڈاکٹر شاہ نواز قادیانی کے اس بیان سے بہ خوبی معلوم ہو سکتی ہے ''ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹیریا، مالیخولیا، مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوے کی تردید کے لئے پھر کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی، کیوں کہ یہ ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔'' (۲۴/الف) لیکن اس کے باوجود

ڈاکٹر شاہ نواز نے قادیانیت کیوں قبول کرلی؟ انہوں نے اپنے آپ کو یوں مطمئن کرلیا ''مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا بل کہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوئے ہضم تھا، جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دورانِ سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔ جب خاندان میں اس کی ابتدا ہوچکی تو پھر اگلی نسل میں یہ مرض بے شک منتقل ہوا ہے، چناں چہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (مرزا بشیر الدین محمود) نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔'' (۲۴/ب) یعنی ڈاکٹر شاہ نواز کے خیال میں مرزا غلام احمد قادیانی کو موروثی مراق نہ تھا اس لئے ان کے نزدیک مرزا صاحب کی ''نبوت'' خطرے کے نشان سے نیچے تھی، لیکن صاحب زادہ بشیر الدین محمود خلیفہ دوم کو تو یہ مرض بہ قول ڈاکٹر صاحب موروثی ہی تھا اس کے باوجود وہ ان کے لئے ''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی'' تھے۔ اصل جواب تو وہ ہے جو ایسے لوگوں کے متعلق سورہ ابراہیم میں موجود ہے ویضل اللہ الظالمین و یفعل اللہ مایشآء (۲۴/ج) ''اور اللہ ظالموں کو گم راہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' الغرض مرزا صاحب اپنے ہی قلم سے جو مشرک عظیم قرار پاتے ہیں اس سے ان کی رہائی اور نجات کسی بھی حیلے اور طریقے سے ممکن نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۶۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی واقعی اللہ کے سچے نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ختم نبوت کے متعلق قرآن کریم کے صحیح مطالب سال ہا سال تک ان سے مخفی کیوں رکھے؟ جو (مزعومہ) الہامات اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کئے تھے۔ کیوں اللہ تعالیٰ نے ان کا صحیح مطلب ان ہیں سالہا سال تک نہ سمجھایا؟ جب وہ قرآن کریم کی ایسی غلط تفسیر سال ہا سال تک کرتے رہے جو ان کے بعد کے خیالات کے مطابق مشرکانہ مضامین پر مشتمل تھی اور جب وہ سالہا سال تک (مزعومہ) الہامات کو غلط طریقے سے مجازی معنی پہناتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان ہیں اس غلط اور مشرکانہ کارروائی سے بروقت کیوں نہ روکا؟ مرزا صاحب کو مشرکانہ کارروائی سے روکنے کی بہ جائے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر اس طرح کے کلمات کیوں چلنے دیئے کہ میرا ہر قول اور ہر فعل اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، مجھے اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے کے برابر بھی غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتا اور ہر غلطی سے مجھے محفوظ رکھتا ہے، جو کوئی ملہم یا مجتہد خلاف شریعت بات اپنے منہ سے نکالے تو اس کے اندر شیاطین کھیل رہے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ؟ کیا اب بھی ''عدم وضاحت، بے خبری اور لاعلمی'' کی تاویلاتِ فاسدہ سے مرزا صاحب کے اعترافی شرک پر اور شیاطین کا کھلونا ہونے پر پردہ ڈالتے ہوئے لوگوں کو بیوقوف بنایا جاسکتا ہے؟

۷۔ غیر اختیاری بے خبری اور لاعلمی کی بنا پر کسی نے خلافِ حقیقت بات کہی ہو لیکن اسے یقین قطعی کا

درجہ دے کر اس کے صحیح ہونے پر اسرار نہ کیا ہو اور نہ ہی شرطیں لگائی ہوں تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ ہی اسے جھوٹ قرار دیا جائے گا۔ بالفاظ دیگر ہر جھوٹ خلاف حقیقت ہوتا ہے، لیکن ہر خلاف حقیقت قول پر جھوٹ کا حقیقی اطلاق نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایسی کسی معمولی سے معمولی غلطی پر سال ہا سال کے لئے قائم نہیں رہنے دیتا چہ جائے کہ یہ کہ کفر اور شرک کی حدود کو چھونے لگے بل کہ شرک عظیم بن جائے حال آں کہ انبیاء علیہم السلام ظہور نبوت سے پہلے بھی لمحہ بھر کے لئے کفر و شرک پر نہیں ہوا کرتے۔

غزوہ بنی مطلق مریسع کے ایام میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی مسلمانوں کے خلاف ناگفتنی باتیں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں لیکن عبد اللہ بن ابی کی جھوٹی قسموں کا اعتبار کرتے ہوئے آپ نے اسے سچا سمجھ لیا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے متعلق خیال فرمایا کہ ان ہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ سورۂ منافقون کے نزول پر اصل حقیقت جلد ہی کھل گئی کہ حضرت زیدؓ سچے اور منافقین جھوٹے تھے۔ اس سے پہلے آپ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سچے نکلیں اور عبداللہ بن ابی جھوٹا ثابت ہو تو مجھے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مفتری اور کذاب قرار دیا جائے، مجھے پھانسی دی جائے وغیرہ۔ سچے پیغمبروں کا یہ انداز کلام ہوا ہی نہیں کرتا۔ بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ ایک انصاری صحابی نے ایک یہودی کو طمانچہ رسید کر دیا، کیوں کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل البشر قرار دیا تھا۔ یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صحابی پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کے درمیان جو بھی جان دار ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ مستثنیٰ کر دے۔ اس کے بعد جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ عرش کے سہارے کھڑے ہیں۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں کوہ طور پر حضرت موسیٰ جو بے ہوش ہوئے تھے اس کے صلے میں ان ہیں قیامت کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہوگا یا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ چکے ہوں گے۔ اور میں نہیں کہتا کہ کوئی نبی بھی یونس بن متی سے افضل ہے۔ (۲۴/د) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں (۲۵/الف) حال آں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور ان کے سردار ہیں مثلاً حضرت جابر بن عبداللہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔ انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا اول شافع ومشفع ولا فخر (۲۵/ب) ''میں تمام رسولوں کا پیشوا ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں خاتم النبیین

ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں (قیامت کے دن) سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کی جائے گی اور کوئی فخر نہیں۔'' مذکورہ روایات میں کوئی حقیقی تعارض نہیں ہے۔ ان میں تطبیق کی معقول، بے غبار، آسان فہم اور صحیح صورت یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو باہم ایک دوسرے پر ایسی فضیلت ہرگز نہ دو جس سے کسی نبی کی توہین وتنقیص ہو۔ کسی بھی نبی کی توہین کفر ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء پر فضیلت مجموعی حیثیت سے (من حیث الکل) ہے ایک ایک جزئی کے اعتبار سے نہیں مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی انفرادی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ کا ارشاد ہے کہ کریم (شریف اور معزز) بیٹا کریم کا بیٹا کریم کا بیٹا کریم کا یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہے (۲۵/ج) یعنی حضرت یوسفؑ، ان کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ، ان کے دادا حضرت اسحاقؑ اور ان کے پڑدادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سب کے سب اللہ کے پیغمبر ہیں۔ مذکورہ بالا ظاہری تعارض کو دور کرتے ہوئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے کرام کو باہم فضیلت دینے سے ازراہ تواضع وانکسار منع فرمایا ہے۔ لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہرگز ہرگز تواضع اور انکسار کا اظہار اس انداز سے نہیں فرماتے جس سے صحیح عقائد وحقائق مبہم ومستور ہو کر رہ جائیں، چناں چہ جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمام رسولوں کا قائد اور پیش وا ہوں تو ساتھ ہی ولا فخر (اور فخر نہیں) کہہ کر تواضع کا بھی اظہار فرما دیا۔ تطبیق کی ایک صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نفسِ نبوت میں برابر ہیں۔ فضیلت کا لحاظ ان کے درجات کے اعتبار سے ہے۔

تطبیق کی ایک نہایت ہی ضعیف اور مرجوح صورت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ میں دیگر سب انبیاء سے افضل ہوں۔ اس مرجوح تاویل وتطبیق سے بعض قادیانیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بزعم خویش یہ سہارا دینے کی کوشش کی ہے کہ مرزا صاحب کو بھی پہلے اپنی نبوت کا علم نہیں تھا، بعد میں ہوا تو اس سے بہ قول ان کے کوئی فرق نہیں پڑتا، حال آں کہ اگر مذکورہ مرجوح تاویل وتطبیق کو قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے مرزا صاحب اور ان کے عقیدت مندوں کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ وحی کے بغیر محض اپنے اجتہاد وقیاس سے شاذ ونادر کسی صورت میں پیغمبر کی زبان پر کوئی خلافِ حقیقت قول آئے تو وہ اسے یقین قطعی کا درجہ دے کر اس پر اصرار نہیں فرماتے اور نہ ہی اس طرح کی شرطیں لگاتے ہیں کہ اگر میری بات صحیح نہ ہو تو مجھے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جھوٹا، ذلیل، مردود، لعین و دجال وغیرہ سمجھا جائے اور نہ ہی دینی مسائل خصوصاً عقائد کے بارے میں (معاذ اللہ) سال ہا سال کے لئے کسی معمولی سے معمولی غلطی پر نبی قائم رہ سکتا ہے چہ جائیکہ اس کی غلطی شرکِ عظیم کی حدود میں جا پہنچی ہو

یا یہ کہ سال ہا سال تک اپنے اوپر نزول وحی کے باوجود اسے یہ پتہ ہی نہ چل سکے کہ وہ حقیقی نبی ہے اور وحی کو اپنی طرف سے مجازی معنی پہناتا پھرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور حضرت یونسؑ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ہرگز یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر میں ان سے افضل ہونے کا دعویٰ کروں تو میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کافروں سے جاملوں گا۔ جیسا کہ پہلے بھی ہم بیان کر چکے ہیں سچے پیغمبروں کا انداز کلام اس طرح کا کبھی ہوا ہی نہیں کرتا۔ پیغمبر تو ایک طرف رہے عام شرفاء بھی اس طرح کی باتوں کو شستگی اور شائستگی کے سخت خلاف سمجھتے ہیں۔ ادھر متنبی مرزا غلام احمد قادیانی کی پوری زندگی اس طرح کی شرطیں لگاتے گزر گئی کہ اگر یہ نہ ہوا یا میں نے یوں کیا تو میں جھوٹا مفتری و دجال وغیرہ ہوں مثلاً مرزا صاحب نے محمدی بیگم سے نکاح کی لگاتار اور لاتعداد پیشین گوئیاں کر ڈالیں تو یہ بھی کہہ دیا ''اگر یہ پیشین گوئی خدا کی طرف سے نہیں تو میں نامراد، ملعون، مردود، ذلیل اور دجال ہوں۔'' (۲۶/الف)

۱۹۰۱ عیسوی میں مرزا صاحب نے اپنے حقیقی نبی ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ براہین احمدیہ میں مذکور الہامات کی بنا پر میں ۱۸۸۰ء عیسوی سے ہی حقیقی نبی تھا مگر میں کمال سادگی سے متعلقہ وحی اور الہامات کو مجازی معنی پہناتا رہا۔ ۱۹۰۱ عیسوی میں نبوت کے باقاعدہ اعلان سے پہلے یہی مرزا صاحب نہایت شد و مد سے ختم نبوت کا یہی مفہوم بیان کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کافر ہے مثلاً جماعۃ البشریٰ (۱۸۹۳ء) میں وہ لکھتے ہیں ''مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں۔'' (۲۶/ب) آسمانی فیصلہ (۱۸۹۱ء) میں وہ لکھتے ہیں ''دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔'' (۲۷/الف) بعد میں جب مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کا دعویٰ کر کے کسی اور کے کہنے سے ہی نہیں بل کہ خود اپنے ہی الفاظ میں (پھر دہرایئے) خود اپنے ہی الفاظ میں اسلام سے خارج ہو گئے، کافروں کی جماعت سے جا ملے، دشمن قرآن ہو گئے اور خاتم النبیین کے بعد وحی کا نیا (جھوٹا) سلسلہ جاری کر کے اس خدا سے بے شرم ہو گئے جس کے سامنے اور لوگوں کی طرح مرزا صاحب بھی حاضر کئے جائیں گے تو عذر یہ کیا ''جب تک مجھے اس (خدا تعالیٰ) سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔'' (۲۷/ب) خوب غور کیجئے مرزا صاحب کی مذہبی قلابازیوں اور مراق و ہسٹیریا کے زیر اثر کہہ مکرنیو پر ''عدم وضاحت، بے خبری اور لاعلمی۔'' کا پردہ کیسے ڈالا جا سکتا ہے؟ قادیانی حضرات کو ہمارا نہایت ہی مخلصانہ اور دردمندانہ مشورہ ہے کہ وہ خود مرزا صاحب کے اپنے الفاظ

کے مطابق اس خدا سے شرم کریں جس کے سامنے سب لوگ حاضر کئے جائیں گے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ مرزا صاحب نے مراق وہسٹیریا کے ذہنی امراض میں اپنے مبتلا ہونے کا خود اپنے منہ اور قلم سے اعتراف کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ باوجودیکہ سخت دماغی محنت ومشقت سے مراق کا مرض ترقی کرتا ہے، مگر دروازے بند کر کے رات گئے تک اپنے کام کو جاری رکھتا ہوں (۲۷ر ج) کاش مرزا صاحب اس کام کو جاری نہ رکھتے اور ان کا مراق کا مرض ترقی نہ کرتا اور وہ ایسی تحریریں نہ لکھتے جو ان کے گلے کا طوق بن رہی ہیں جو ان ہیں مشرک عظیم اور شیاطین کا عمر بھر کے لئے کھلونا ثابت کر رہی ہیں لیکن ''کاش'' سے تاریخ نہیں بنتی۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ شاید مرزا صاحب مراق اور ہسٹیریا کی وجہ سے کسی حد تک معذور ہوں، لیکن ان کے عقیدت مندوں کو ضرور کچھ غور کرنا چاہئے۔ وہ کم از کم یہ تو سمجھ لیں کہ کسی بھی سچے پیغمبر کی زبان پر بے خبری کے عالم میں ہرگز ہرگز ایسے خلاف حقیقت کلمات جاری نہیں ہو سکتے جن کے صحیح ہونے پر وہ پہلے تو شد و مد سے اصرار کرے، اپنے مخالفین کو مفتری و کذاب کہا کرے، پھر سال ہا سال کے بعد وہی بات کہے جو اس کے مخالفین کہا کرتے تھے اور جس کی بنا پر وہ ان ہیں مفتری اور کذاب کہا کرتا تھا اور عذر یہ کرے کہ میں کمال سادگی کی وجہ سے اپنی وحی کا بارہ اور اکیس سال تک صحیح مفہوم نہیں سمجھ پایا تھا اور کبھی یہ کہے کہ اگر میں پہلے دن سے ہی سیدھی اور صاف باتیں کرتا تو علماء میرے خلاف ہزار ہا ہزار اعتراض کرتے، میرے اس طرز عمل سے تو وہ بیچ میں پھنس گئے (۲۸ر الف)

۷۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی آیات کے صحیح مطالب کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب پر سال ہا سال تک نہیں فرمائی تھی اور اگر ان پر نازل ہونے والے (مزعومہ) الہامات اور وحی کی صحیح تفسیر سال ہا سال تک ان ہیں نہیں بتائی تھی تو کیا اس عدم وضاحت کا مرزا صاحب کو علم تھا یا نہیں تھا؟ اگر ان ہیں اپنی بے خبری کا علم تھا تو اللہ تعالیٰ سے وضاحت حاصل کئے بغیر اور اللہ تعالیٰ سے مزعومہ الہامات کی صحیح تفسیر معلوم کئے بغیر اپنی ناقص عقل اور غلط قیاس سے وہ لوگوں کے سامنے قرآن کریم سے حیات عیسیٰ کا اپنا عقیدہ کیوں پیش کرتے رہے جس کے متعلق ان ہیں کوئی بارہ سال کے بعد جا کر معلوم ہوا کہ یہ تو شرک عظیم، نیکیوں کو کھا جانے والا اور خلاف عقل ہے؟ وہ ختم نبوت کا وہ مفہوم کیوں بیان کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت کو وہ کیوں کافر، ملحد، زندیق اور بے شرم کہتے رہے جس کے کوئی اکیس سال بعد خود انہوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ مجھے پہلے متعلقہ قرآنی آیات اور اپنے الہامات کا صحیح معنی سمجھ میں نہیں آیا تھا؟ اللہ تعالیٰ سے وضاحت حاصل کئے بغیر انہیں کس نے حق دیا تھا کہ وہ متعلقہ قرآنی آیات کی ایسی تفسیر کریں جسے سال ہا سال کے بعد وہ خود مشرکانہ تعلیم

قرار دیں؟ اللہ تعالیٰ سے وضاحت حاصل کئے بغیر انہوں نے الہامات کو کیوں مجازی معنی پہنائے؟ اگر مرزا صاحب کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ سالہا سال کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے صحیح مطالب ان پر نہیں کھولے ہیں اور ان پر نازل ہونے والے الہامات اور وحی کے کلمات بھی سال ہا سال کے لئے ان پر سربستہ راز رکھے گئے ہیں یعنی اگر ان ہیں عدم وضاحت کی بنا پر اپنی بے خبری کا کوئی علم ہی نہیں تھا اور بے خبر ہونے کے باوجود وہ مدت دراز تک اپنے آپ کو باخبر سمجھتے رہے اور جہل مرکب کا شکار رہے تو اس امکان کو بھی قطعاً مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ اسی بے خبری میں انہوں نے بعد کے اپنے اوپر بارش کی طرح بار بار کے نازل ہونے والے الہامات کا مطلب بھی غلط سمجھا ہو، لیکن وہ یہ خیال کئے بیٹھے ہوں کہ میں صحیح سمجھ رہا ہوں۔ مثلاً محمدی بیگم سے اپنے نکاح کے متعلق ان پر طویل عرصے تک لگاتار اور مسلسل الہامات ہوتے رہے لیکن وہ ان الہامات کو سمجھنے سے قاصر رہے اور کسی خوش فہمی یا غلط فہمی سے یقین کر بیٹھے کہ میرا نکاح محمدی بیگم سے ضرور ہوگا اور یہ تقدیر مبرم ہے (۲۸/ب) وہ یہ بھی یقین کر بیٹھے کہ محمدی بیگم کا شوہر مرزا سلطان محمد میری زندگی میں ہی مرجائے گا اور محمدی بیگم بیوہ ہوکر میرے نکاح میں آجائے گی اور وہ مرزا سلطان محمد کی موت کو بھی تقدیر مبرم قرار دے بیٹھے (۲۸/ج) تیسری شادی کے متعلق یہ الہامات اور کشوف خود ان کے کہنے کے مطابق متواتر تھے اور اپنے دست راست حکیم نورالدین کے نام اپنے ایک مکتوب میں یہ لکھا کہ گو میرا دل تیسرے نکاح کو پسند نہیں کرتا مگر خدا کے حکم کے سامنے میں مجبور ہوں اور یہ تیسرا نکاح تقدیر مبرم ہے (۲۹/الف) اور مثلاً ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے متعلق مرزا صاحب کو جو الہامات اپنی عمر کے آخری حصے میں ہوئے ان کا صحیح مطلب بھی وہ نہ سمجھ سکے اور یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ میرے خدا نے مجھے فرمایا ہے "میں تیری عمر کو بھی بڑھادوں گا، یعنی دشمن (ڈاکٹر عبدالحکیم) جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء عیسوی سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشین گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھادوں گا تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے۔" (۲۹/ب) اس الہام کو صحیح نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کی بات کو سچا ثابت کرتے ہوئے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء عیسوی کو بروز منگل اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ پس بارش کی طرح بار بار اپنے اوپر نازل ہونے والے ان الہامات کا صحیح مطلب سمجھنے میں بھی مرزا صاحب ٹھوکر کھا گئے جن کی بنا پر انہوں نے حیاتِ عیسیٰ کے اپنے سابقہ کئی سالہ عقیدے کو شرک عظیم قرار دے کر وفاتِ عیسیٰ کا عقیدہ اختیار کرلیا اور اپنے حقیقی مسیح موعود ہونے کا اعلان کردیا۔ وہ ان الہامات کو بھی نہ سمجھ پائے جن کی بناء پر ختم نبوت کے صحیح مفہوم عدم اجرائے نبوت کو چھوڑ کر اپنے نبی ہونے کا اعلان کردیا۔ ان تمام

پیچیدگیوں سے نجات کا صحیح اور معقول راستہ یہی ہے کہ مرزا کے الہامات کو شیطانی قرار دیا جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنی خبر کو جھوٹا نہیں کرتا، البتہ شیطان ضرور جھوٹے وعدے کیا کرتا ہے: **بعدھم ویمنیھم وما یعدھم یورھم الشیطن الاغروراً** (۲۹/ج) ''وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے حالاں کہ شیطان تو صرف دھوکے والے وعدے ان سے کر رہا ہوتا ہے۔'' ہمیں مرزا صاحب کی بے خبری اور لاعلمی پر یقین کامل ہے، لیکن فرق صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے عقیدت مند غلطی سے یہ خیال کر بیٹھے کہ مرزا صاحب پہلے بے خبر تھے اور بے خبری کے عالم میں بہت کچھ کہتے رہے لیکن بعد میں ان کی بے خبری باخبری سے بدل گئی جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ پہلے مرزا صاحب حیاتِ عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عدم اجرائے نبوت کے اجماعی عقائد کے اگر قائل تھے تو راہ راست پر تھے پھر شیطانی الہامات جوں جوں ترقی کرتے چلے گئے وہ گم راہی کے عمیق گڑھے میں گرتے چلے گئے۔ خود تو ڈوبے ہی تھے اپنے مستقل مزاج عقیدت مندوں کو بھی لے ڈوبے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o

د۔ بہ حوالہ ''نسخ مضامین''

مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحب زادے، قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد اپنی کتاب ''حقیقۃ النبوۃ'' میں لکھتے ہیں گ ''اور چوں کہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' (اشتہار) ۱۹۰۱ء عیسوی میں شائع ہوا ہے جس میں آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) نے اپنی نبوت کا اعلان بڑے زور سے کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ء عیسوی میں آپ نے اپنے عقیدے میں تبدیلی کی ہے اور ۱۹۰۰ عیسوی ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر خد فاصل ہے..... پس یہ ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ عیسوی سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔'' (۳۰/الف) کیا صاحب زادہ بشیر الدین محمود کی مذکورہ بات قبول کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو یہی بات درست ہے۔ اگر کہا جائے کہ قبول کی جاسکتی ہے تو یہ قول درج ذیل وجوہ کی بنا پر یک سر مردود ہے۔

۱۔ سچے عقائد کی حیثیت ناقابل تغیر خبروں کی ہوتی ہے۔ نسخ خبروں (اخبار) میں نہیں ہوا کرتا بل کہ احکام میں ہوا کرتا ہے۔ مثلاً یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور لاشریک ہے اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ عقیدہ بدل جائے یا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تو یہ بتایا گیا ہو کہ قیامت

واقع نہیں ہوگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں وقوع قیامت پر ایمان کا مطالبہ کیا جائے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی اصولی تعلیم یعنی عقائد کی تعلیم ہمیشہ یکساں رہی ہے اس میں تغیر ممکن ہی نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی جن باتوں کو مرزا بشیر الدین محمود منسوخ قرار دے رہے ہیں ان کا تعلق عقائد سے ہے۔ آسمان پر حضرت عیسیٰؑ کا زندہ اٹھایا جانا اور قیامت کے قریب ان کا زمین پر نزول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین اس معنی میں ہونا کہ آپ کی نبوت و رسالت تا قیامت جاری اور نافذ ہونے کی وجہ سے کسی بھی طرح کی نئی نبوت کا اجراء ہرگز نہیں ہوگا، ان امور کا تعلق عقائد سے ہے۔ ان میں تبدیلی اور نسخ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۱۹۰۳ء عیسوی میں مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' میں لکھا: **ومن تفوہ بکلمۃ لیس لہ اصل صحیح فی الشرع ملہما کان او مجتہدا فیہ الشیاطین متلاعبۃ** (۳۰/ب) ''جو شخص منہ سے ایسا کلمہ نکالے جس کی شریعت میں اصل نہ ہو تو خواہ ایسا شخص ملہم (الہام یافتہ) ہو یا مجتہد ہو تو اس کے اندر شیاطین کھیل رہے ہوتے ہیں۔'' مرزا صاحب تو براہین احمدیہ (۱۸۸۰-۱۸۸۴ء) کی تصنیف کے ایام میں بھی بہ زعم خویش ملہم تھے اور ۱۹۰۱ عیسوی سے بعد کی کتب میں بھی مثلاً ۱۹۰۷ء کی حقیقۃ الوحی میں بھی وہ براہین احمدیہ میں مذکور اپنے الہامات کا حوالہ دیتے ہیں (۳۰/ج) مرزا صاحب نے ۱۸۹۱-۱۸۹۲ عیسوی میں وفاتِ عیسیٰؑ کے عقیدے کو (معاذ اللہ) شرک عظیم قرار دے ڈالا۔ انہوں نے ۱۹۰۱ عیسوی سے پہلے بارہا نبوت کے دعوے کی تردید کی اور یہ اعلان کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کر کے میں اسلام سے کیسے خارج ہو جاؤں اور میں کیوں کر کافروں کی جماعت سے جا ملوں وغیرہ۔ پھر انہوں نے ۱۹۰۱ عیسوی میں نبوت کا دعویٰ کر ڈالا۔ ہم قادیانی حضرات سے یہ پوچھنے میں حق بہ جانب ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیات و وفات کے متعلق ۱۸۹۱ عیسوی سے پہلے کے اور ختم نبوت کے متعلق ۱۹۰۱ عیسوی سے پہلے کے مرزا صاحب کے عقائد کی شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کوئی اصل اور بنیاد تھی یا نہیں تھی؟ اگر ان عقائد کی شریعت میں اصل اور بنیاد ہے تو یہ بعد میں خلافِ شریعت کیسے ہو گئے؟ اگر بعد میں یہ واقعی خلافِ شریعت تھے اور مرزا صاحب ان ہی خلافِ شریعت عقائد کو ۱۸۹۱ عیسوی اور ۱۹۰۱ عیسوی کے بعد اپنی زبان پر لاتے رہے تو آئینہ کمالاتِ اسلام میں دی گئی اپنی مذکورہ تحریر کے عین مطابق وہ ۱۸۹۱ عیسوی سے اپنے سالِ وفات ۱۹۰۸ عیسوی تک یعنی کوئی سترہ سال تک اس حالت میں رہے کہ ان کے اندر شیاطین کھیل رہے تھے۔ اگر ۱۸۹۱ عیسوی اور ۱۹۰۱ عیسوی سے پہلے کے مرزا صاحب کے عقائد اور خیالات خلافِ شریعت تھے اور بعد میں بہ قول ان کے مطابق شریعت ہوئے تو مرزا صاحب کی اپنی مذکورہ تحریر کے مطابق

وہ سن بلوغت سے لے کر ۱۸۹۲ عیسوی تک یعنی کوئی انتالیس سال تک اور براہین احمدیہ کی تصنیف کے ایام سے کوئی بارہ سال بعد تک حیاتِ عیسیٰ کے عقیدے کے سلسلے میں اور سن بلوغت سے لے کر ۱۹۰۱ عیسوی تک یعنی کوئی اڑتالیس سال تک اور براہین احمدیہ کی تصنیف کے ایام سے کوئی اکیس برس بعد تک ختم نبوت کے عقیدے کے سلسلے میں اس حالت میں رہے کہ شیاطین ان کے اندر کھیل رہے تھے۔ اب خود ہی فیصلہ کیا جائے کہ ایسا شخص نبی کیسے ہوگیا؟ کیا کسی نبی کے اندر ظہور نبوت سے پہلے یا بعد میں (معاذ اللہ) شیاطین نے ڈیرہ ڈال رکھا ہوتا ہے؟ یہاں یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کا سال ولادت ان کی اپنی تحریروں کے مطابق ۱۸۳۹۔۱۸۴۰ عیسوی ہے۔ اور ان کی پہلی بیوی سے ان کی اولاد پندرہ سولہ برس کی عمر میں ہوگئی تھی یوں وہ کوئی چودہ برس کی عمر میں ۱۸۵۳/۱۸۵۴ عیسوی میں سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے۔ (۳۰/د) صاحب زادہ بشیر الدین محمود ''لنخ'' کی ار میں اپنے والد کی (جھوٹی) نبوت کو سہارا دینے کی کوشش کر رہے ہیں حال آں کہ جیسا کہ ہم قبل ازیں متعدد مرتبہ بیان کر چکے ہیں، صاحب زادے کے نزدیک ہر وہ شخص مشرک ہے جو کسی انسان کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ سینکڑوں برس سے کچھ کھائے پیے بغیر آسمان میں زندہ موجود ہے۔ وہ یہ بھول گئے کہ ان کے والد مرزا غلام احمد قادیانی آسمان میں حیاتِ موسیٰ کے قائل ہیں اور انہوں نے حیاتِ موسیٰ کا تقابل وفات عیسیٰ سے کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہم پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ ہم حضرت موسیٰ کو آسمان پر زندہ تسلیم کریں۔ (۳۱/الف) صاحب زادے کے اس من گھڑت فلسفۂ توحید و شرک کے تحت ان کے والد مرزا قادیانی پہلے تو آسمان میں حیاتِ عیسیٰ کے قائل ہونے کی وجہ سے مشرک تھے اس سے دست بردار ہوئے تو آسمان میں حیاتِ موسیٰ کے قائل ہوگئے ہوں وہ ساری عمر مشرک کے مشرک ہی رہے۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ پیغمبر ظہور نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ایک ثانیے (سیکنڈ) کے کروڑویں حصے کے برابر بھی شرک پر نہیں ہوسکتا۔ ادھر مرزا صاحب ساری عمر شرک میں پڑے رہے اور مرزا بشیر الدین محمود بھی اپنی ہی تحریر کی رو سے خود بھی کافر و مشرک قرار پاتے ہیں۔ کیوں کہ اگر وہ حیاتِ موسیٰ کے قائل تھے تو اپنے ہی فلسفۂ توحید و شرک کی رو سے مشرک ہوگئے اور اگر وہ قائل نہیں تھے اور ان کے والد مرزا قادیانی واقعی نبی تھے تو نبی کا عقیدہ چھوڑ کر کافر ہوگئے۔ قادیانی حضرات اگر باپ اور بیٹے کی اس کفر و شرک سے گلوخلاصی کرا سکیں تو کوشش کر دیکھیں ورنہ دنیوی زندگی اور اس کے مفادات عارضی اور فانی ہیں، اپنی آخرت کی فکر کریں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام منسوخ کیے جاتے ہیں وہ منسوخ شدہ احکام (معاذ اللہ) غلط نہیں ہوا کرتے۔ اس خبیث مفروضے کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سخت توہین لازم آتی ہے کہ (معاذ اللہ) وہ غلط احکام بھی دیا کرتا ہے۔ ادھر مرزا غلام احمد قادیانی ہیں جنہوں نے آسمان پر حیاتِ

عیسیٰ کے اس عقیدے کو شرک قرار دیا جس پر وہ خود بھی اپنے اعتراف واقرار کے مطابق سال ہا سال تک قائم رہے تھے۔ وہ ختم نبوت کے صحیح مفہوم کے بھی سال ہا سال قائل رہے اور اپنی تحریروں میں اس کی مدافعت کرتے رہے، پھر بعد میں انہوں نے اسے بھی غلط قرار دے ڈالا۔ اندریں صورت مرزا صاحب کے ان سابقہ عقائد کو ''نسخ'' کے عنوان کے تحت کیسے لایا جاسکتا ہے؟ جن احکام کو منسوخ کیا جاتا ہے وہ غلط نہیں ہوا کرتے بل کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک خاص مدت اور مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ جب مدت پوری ہوجائے اور مقصد حاصل ہوجائے تو یا تو ان احکام کو سرے سے ختم کردیا جاتا ہے یا ان کی بہ جائے نیا حکم لایا جاتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کرکے آئندہ کے لئے خانہ کعبہ کو نماز کے لئے مستقل قبلہ قرار دیا گیا۔ جن لوگوں نے اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نمازیں ادا کی تھیں ان ہیں یہ بشارت دی گئی **وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرئوف رحیم** (۳۱/ب) ''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے، بے شک اللہ لوگوں پر بڑا مشفق اور نہایت مہربان ہے'' اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم (معاذ اللہ) غلط یا ناقص ہوتا تو ان حضرات کو ان کے ایمان کی بقا اور ارتداد سے محفوظ رہنے کی بشارت کیوں دی جاتی؟ یہاں ایمان سے اگر نماز مراد لی جائے تو بھی ایمان کی بقا اور ارتداد سے حفاظت اس کے اندر داخل ہے کیوں کہ مرتد کی تمام نیکیاں بالاتفاق برباد ہوجاتی ہیں۔

۳۔ مرزا قادیانی نے آسمان پر حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کے عقیدے کو (معاذ اللہ) خلاف عقل بھی قرار دیا ہے جب کہ بتایا جاچکا ہے کہ عقیدے منسوخ ہوا ہی نہیں کرتے، صرف احکام منسوخ ہوا کرتے ہیں۔ منسوخ شدہ احکام بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں لہٰذا ان ہیں خلاف عقل قرار دینے سے اللہ تعالیٰ کی سخت توہین بل کہ کفر لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم ہرگز خلاف عقل نہیں ہوا کرتا، مثلاً بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم جو بعد میں منسوخ ہوگیا تھا اگر (معاذ اللہ) خلاف عقل ہوتا تو صحابہ کرام کو اس پر عمل کرنے کے صلے میں بقائے ایمان کی بشارت نہ دی جاتی۔

۴۔ مرزا صاحب نے حیاتِ عیسیٰ کے عقیدے کو ''نیکیاں کھا جانے والا'' عقیدہ قرار دیا ہے۔ نسخ تو صرف احکام میں ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم (معاذ اللہ) نیکیاں کھا جانے والا نہیں ہوا کرتا۔ ایسا کہنا تو کلمۂ کفر ہے۔ اگر مثلاً بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نیکیاں کھا جانے والا ہوتا تو صحابہ کرام کے لئے اس حکم کی تعمیل موجب بشارت نہ ہوتی۔ ادھر مرزا غلام احمد قادیانی خود سال ہا سال تک حیاتِ عیسیٰ کے عقیدے پر قائم رہ کر اپنی ہی تحریر کی رو سے مشرکِ عظیم رہے، خلاف عقل

عقیدے کو مانتے اور اس پر براہین احمدیہ میں قرآن کریم سے دلائل پیش کرتے رہے، یوں بہ قول خود اپنی نیکیاں برباد کراتے رہے پھر وہ مسیح موعود اور رسول بھی ہو گئے۔ وہ خود تو اپنے ہی اعتراف کے مطابق مراق اور ہسٹیریا جیسے ذہنی امراض میں مبتلا تھے۔ ان کے عقیدت مندوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے؟

۵۔ بہ حوالہ عذر متشابہات

کیا مرزا صاحب کے سابقہ عقائد اور ان پر نازل ہونے والے ان کے (مزعومہ) الہامات کو متشابہ قرار دے کر مرزا صاحب کو بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو یہی بات درست ہے۔ اگر کہا جائے کہ ان ہیں ''شرک عظیم'' وغیرہ سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے تو یہ قول درج ذیل وجوہ کی بنا پر مردود ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی وحی میں متشابہ آیات وہ ہوتی ہیں جن کے معانی ہی معلوم نہ ہوں یا معانی تو معلوم ہوں لیکن مراد معلوم نہ ہو یعنی وہ معلوم المعنیٰ نہ ہوں اور اگر معلوم المعنیٰ ہوں تو معلوم المراد نہ ہوں مثلاً قرآن کریم کی متعدد سورتوں کے شروع میں لائے گئے حروف مقطعات کے معانی ہمیں معلوم نہیں۔ اور مثلاً الرحمٰن علی العرش استویٰ (۳۱ رج) ''رحمٰن عرش پر قائم ہوا'' جیسی آیات کا معنی تو معلوم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عرش پر قائم ہونے کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔ متشابہات کے مقابلے میں دوسری آیات کو محکمات کہا جاتا ہے۔ ان کے معانی بھی معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مراد بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہوتی۔ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محکمات ہی ام الکتاب ہوتی ہیں یعنی دینی اصول وفروع کی بنیاد محکمات پر ہوتی ہے متشابہات پر نہیں ہوتی۔ متشابہات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں زیغ (کجی) ہو اور جو فتنہ جو ہوں وہی محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ ان متشابہات کی مراد کی جستجو کی جائے حال آں کہ ان کی حقیقی مراد کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۳۲ رالف) اگر متشابہ آیات پیغمبر کے لئے متشابہ نہ ہوں بل کہ صرف افرادِ امت پر متشابہ ہوں تو نبوت کے مدعی مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے متشابہات کا عذر کیسے درست ہوا؟ اگر متشابہات پیغمبر کے لئے بھی متشابہ ہوں تو چوں کہ متشابہات پر دینی اصول وفروع کی بنیاد رکھی ہی نہیں جاتی تو پیغمبر ایسی آیات کی تشریح ہی کیوں کرے گا؟ اور جن آیات کی پیغمبر تشریح کر ڈالے تو وہ معلوم المراد ہونے کی وجہ سے متشابہات میں شامل ہی نہیں رہیں گی۔ پس متشابہ آیات اس دنیا میں مخلوق کے لئے ہمیشہ متشابہ ہی رہیں گی، محکمات میں نہیں بدل جائیں گی۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی آیات مرزا صاحب کے لئے متشابہات میں شامل تھیں تو انہوں نے ان سے آسمان پر حیاتِ عیسیٰ کا ایسا عقیدہ کیوں قبول کر لیا جو ان کے بعد کے خیالات کے مطابق نیکیوں کو کھا جانے

والا اور شرکِ عظیم تھا۔ اگر کوئی شخص متشابہات کی ایسی تشریح اور تفسیر بیان کرے جو محکمات کے خلاف پڑتی ہو تو ایسی تشریح مردود ہوگی اور ایسا شخص بہ نصِ قرآنی یقیناً ان لوگوں میں شامل ہے جو فتنہ جو ہیں اور جن کے دل زنگ آلود ہیں چہ جائے کہ ایسا فتنہ جو اور زنگ آلود دل والا شخص نبی اور مسیح موعود بنا دیا جائے۔

۲۔ متشابہات ہرگز خلافِ عقل نہیں ہوا کرتیں بل کہ بالائے عقل ہوتی ہیں، مثلاً نو اور آٹھ کے حاصل ضرب کا بہتر ہونا دو تین سال کے بچے کی عقل سے بالاتر تو ہے لیکن خلاف عقل نہیں۔ اس کے برعکس مثلاً دو اور دو کا پانچ ہونا خلافِ عقل ہے۔ ادھر مرزا صاحب نے حیاتِ عیسیٰ کے عقیدے پر سال ہا سال قائم رہنے کے بعد پھر اسے خلافِ عقل قرار دے ڈالا اور ختم نبوت کے عقیدے کے صحیح مفہوم پر سال ہا سال قائم رہنے کے بعد پھر اس کے غلط ہونے کا اعلان کر دیا تو ان ہیں متشابہات کی آڑ میں تحفظ فراہم نہیں کیا جا سکتا۔ متشابہات نہ ہی خلافِ عقل ہوتی ہیں اور نہ ہی غلط ہوتی ہیں۔ متشابہ آیات کو خلافِ عقل اور غلط قرار دینے والا تو ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ چہ جائے کہ اسے مسیح موعود اور نبی کے منصب پر براجمان کر دیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ وہ متشابہ آیات اور اپنے مزعومہ الہامات کو غلطی سے محکمات سمجھتے ہوئے ان کی غلط تشریح کرتے رہے تو بھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کا کوئی نبی سال ہا سال تک متشابہات میں الجھا رہے اور ان کی ایسی تشریح کرتا رہے جسے وہ بعد میں خود ہی شرکِ عظیم قرار دے اور دعویٰ کرے کہ یہ متشابہات اب میرے لئے محکمات ہوگئی ہیں، اور اب ان کا صحیح مفہوم مجھے معلوم ہوگیا ہے۔ ایسا شخص متنبی ہی نہیں بل کہ مجنون بھی قرار پائے گا۔ حال آں کہ اللہ کا سچا نبی مجنون نہیں ہوا کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی پر متشابہ کو محکم بنائے تو متشابہ آیت اور وحی کو محکم میں بدلنے سے پہلے وہ ہرگز ہرگز اس کی زبان پر متشابہات کی ایسی تشریح جاری نہیں کرے گا جسے خود مدعیٔ نبوت بعد میں شرکِ عظیم قرار دینے لگے۔

۳۔ مرزا صاحب نے اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح (۱۹۰۲ء) میں لکھا ہے۔ ''میں خود تعجب کرتا ہوں کہ میں نے باوجود کھلی کھلی وحی کے جو براہین احمدیہ (۱۸۸۰ء-۱۸۸۴ء) میں مجھے مسیح موعود بناتی تھی، کیوں کہ اس کتاب میں یہ (حیاتِ عیسیٰ کا) رسمی عقیدہ لکھ دیا۔ پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے اس سے بالکل بے خبر رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے مسیح موعود بنایا ہے'' (۳۲/ب) جو وحی ''کھلی کھلی'' ہو اور جس میں ''شد و مد'' سے کوئی بات کہی گئی ہو اسے بعد میں متشابہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ میں اس کا صحیح مطلب بارہ سال تک نہیں سمجھ سکا، لیکن اب بارہ سال کے بعد یہ متشابہ وحی مجھ پر متشابہ نہیں رہی بل کہ محکم ہوگئی ہے، کسی صحیح الحواس شخص کا کام نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ اسے مسیح موعود اور نبی تسلیم کیا جائے۔ اللہ کا سچا نبی ہرگز ہرگز اس قدر کند ذہن اور غبی نہیں ہوا کرتا کہ وہ بارہ سال تک ''کھلی کھلی'' وحی کو اور ''شد و مد'' سے اسے

مسیح موعود اور نبی بنانے والی وحی کو برس ہابرس تک نہ سمجھ سکے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ ایسی باتیں زبان پر لاتا رہے جنہیں وہ بعد میں غلط ہی نہیں شرک عظیم بھی قرار دینے لگے۔ مرزا صاحب یہ سب کچھ مراق اور ہسٹیریا کے تحت کرتے رہے۔ انگریز سرکار کی سرپرستی سے کاروبار چمک نکلا تو دنیوی مفادات حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ نے ان ہیں اپنے موقف پر جمے رہنے پر مجبور کردیا، چناں چہ وہ خود لکھتے ہیں۔ ''کئی لاکھ انسان تابع ہوگئے، کئی لاکھ روپیہ آیا، قریباً تمام دنیا میں عزت کے ساتھ میری شہرت ہوگئی۔'' (۳۲/ج)۔ مرزا صاحب کی مئی ۱۹۰۸ عیسوی میں بمرضِ ہیضہ موت کے کوئی ۲۳ سالوں کے بعد سرکاری مردم شماری ۱۹۳۱ عیسوی میں ہوئی تو قادیانی اور لاہوری جماعت کے مرزا صاحب کے عقیدت مندوں کی کل تعداد پچپن ہزار کے قریب نکلی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ''کئی لاکھ انسان تابع ہوگئے'' سفید جھوٹ تھا۔ آئندہ مباحث میں ہم انشاء اللہ العزیز ناقابلِ تردید شواہد سے ''جھوٹ کی فصل'' کے عنوان کے تحت یہ ثابت کردیں گے کہ مرزا صاحب جھوٹ بولنے بل کہ جھوٹی قسم تک اٹھالینے میں کوئی عار محسوس نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اب ہم مرزا صاحب کے عزت وشہرت والے دعوے کو بھی جھوٹا ثابت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کا انتقال لاہور میں ہوا جہاں وہ اپنے سسرال کے ہاں مقیم تھے۔ مرض الموت میں انہوں نے اپنے سسر میر ناصر نواب کو بلا کر کہا ''میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے'' (۳۳/الف) مرزا صاحب کے جسدِ خاکی کو لاہور سے قادیان منتقل کرنے کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا تھا۔ خود میر ناصر نواب بیان کرتے ہیں ''ایک طرف تو ہم پر آپ کے انتقال کی مصیبت پڑی تھی، دوسری طرف لاہور کے شورہ پشت اور بدمعاش لوگوں نے بڑا غل غپاڑہ اور شور وشر بپا کیا تھا اور ہمارے گھر کو گھیر رکھا تھا کہ ناگہاں سرکاری پولیس ہماری حفاظت کے لئے رحمتِ الٰہی سے آپہنچی اور اس نے ہمیں ان شریروں کے دست ظلم سے بچا کر بہ حفاظتِ تمام ریلوے اسٹیشن تک پہنچادیا۔ ہم سرکار دولت مدار انگریزی کے نہایت شکرگزار ہیں جس نے ہمیں امن دیا اور ہمارے کمینے دشمنوں سے ہمیں بچایا۔'' (۳۳/ب) مرزا صاحب اپنی زندگی میں انگریز سرکار کی بے حد خوشامد میں تمام حدود پھلانگ کر نہایت ہی پشت سطح پر اپنے آپ کو لے آئے تھے۔ مثلاً برطانوی ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں ''خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ تا پرہیزگاری اور پاک اخلاق اور صلح کاری کی راہوں کو دوبارہ دنیا میں قائم کروں۔'' (۳۳/ج) غور کیجئے کہ مرزا صاحب کس قدر صاف گوئی سے اعتراف فرمارہے ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ کی پاک نیتوں کی تحریک نے ان ہیں نبی بنایا ہے لیکن درمیان میں ''خدا'' کا نام خواہ مخواہ ڈال دیا۔ ملکہ وکٹوریہ کبھی بھی مرزا صاحب کی (مزعومہ) نبوت پر ایمان نہیں لائی، لہٰذا قادیانی شریعت میں بھی وہ

کافروں میں شامل تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی کافر خاتون کی نیک نیتوں کی تحریک پر اپنا نبی نہیں بھیجا کرتا۔ یہ بھی مرزا صاحب کا خدا پر شرم ناک بہتان اور جھوٹ ہے۔ تاہم مرزا صاحب نے انتہائی خوشامد اور چاپلوسی پر مبنی متعدد خطوط ملکہ وکٹوریہ کو بھیجے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مرزا صاحب کو اس نے منہ تک نہ لگایا اور تمام خطوط کو ردی کی نوکری میں پھینک دیا تو مرزا صاحب نے پھر ایک خط لکھا کہ شاید ملکہ کا دل پسیج جائے۔ اس خط کے بعض مندرجات یہ ہیں۔ ''اعلیٰ درجے کا اخلاص اور محبت اور جوشِ اطاعت حضور ملکہ معظمہ اور اس کے معزز افسروں کی نسبت حاصل ہے جو میں ایسے الفاظ نہیں پاتا، جن میں اس اخلاص کا اندازہ بیان کرسکوں۔ اس سچی محبت اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرہ ہند دام اقبالہا کے نام سے تالیف کرکے اور اس کا نام تحفہ قیصریہ رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بہ طور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہوگا، مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی میں ممنون نہیں کیا گیا اور میرا کانشنس ہرگز اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ وہ ہدیہ عاجزانہ یعنی رسالہ تحفہ قیصریہ حضور ملکہ معظمہ پیش ہوا ہو اور پھر میں اس کے جواب سے ممنون نہ کیا جاؤں، یقیناً کوئی اور باعث ہے، جس میں جناب ملکۂ معظمہ قیصرہ ہند دام اقبالہا کے ارادہ اور مرضی اور علم کو کچھ دخل نہیں لہٰذا اس حسن ظن نے جو میں حضور ملکۂ معظمہ دام اقبالہا کی خدمت میں رکھتا ہوں، دوبارہ مجھے مجبور کیا کہ میں اس تحفے یعنی رسالہ قیصریہ کی طرف جناب ممدوحہ کو توجہ دلاؤں اور شاہانہ منظوری کے چند الفاظ سے خوشی حاصل کروں، اس غرض سے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ خیر وعافیت اور خوشی کے وقت میں خدا تعالیٰ اس خط کو حضور قیصرہ ہند دام اقبالہا کی خدمت میں پہنچادے اور پھر جناب ممدوحہ کے دل میں الہام کرے کہ وہ اس سچی محبت اور سچے اخلاص کو جو حضرت موصوفہ کی نسبت میرے دل میں ہے، اپنی پاک فراست سے شناخت کرلیں اور رعیت پروری کی رو سے مجھے پُر رحمت جواب سے ممنون فرمادیں۔'' (۳۳/د) اسی ملکہ وکٹوریہ کے متعلق ایک اور خط میں مرزا صاحب یوں خوشامد اور منت وسماجت کرتے نظر آتے ہیں ''.....اب میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری محسنہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کو عمر دراز دے کہ ہر ایک اقبال سے بہرہ ور کرے اور وہ تمام دعائیں جو میں نے اپنے رسالہ ستارہ قیصریہ (۱۸۹۹ء) اور تحفہ قیصریہ (۱۸۹۷ء) میں ملکہ موصوفہ کو دی ہیں قبول فرمادے اور میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ محسنہ اس کے جواب سے مجھے مشرف فرمادے گی۔ والدعا'' (۳۴/الف) معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی اتنی محنت اور خوشامد کے باوجود ملکہ وکٹوریہ سنگ دل ثابت ہوئی اور مرزا صاحب کو ان کے خوشامدانہ خطوط کی رسید تک نہ بھجوائی تو مرزا صاحب کو یوں الہام ہوا جس کی

تشریح بھی وہ خود ہی فرمارہے ہیں۔ ''قیصر ہند کی طرف سے شکریہ۔'' (تشریح) یہ الہام متشابہات میں سے ہے اور یہ ایسا لفظ ہے کہ حیرت میں ڈالتا ہے کیوں کہ میں ایک گوشہ نشین آدمی ہوں اور ہر ایک قابلِ پسند خدمت سے عاری اور قبل از موت اپنے تئیں مردہ سمجھتا ہوں۔ میرا شکریہ کیسا؟'' (۳۴/ب)

مرزا صاحب کے اس مزعومہ الہام اور اس کی تشریح سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جب ملکہ وکٹوریہ نے اپنے غلام ابن غلام مرزا غلام احمد قادیانی کو کوئی گھاس نہ ڈالی تو مرزا صاحب کی غلامانہ ذہنیت نے یقین کرلیا کہ ملکہ معظمہ اتنی عظیم المرتبت ہیں کہ مجھ جیسا شخص اس لائق ہی نہیں تھا کہ کسی جواب سے نوازا جاتا۔ اس لئے جب ان ہیں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے شکریے کا الہام ہوا تو ان ہیں حیرت ہوئی کہ مجھ جیسے وفادار غلام کا اتنی عظیم ملکہ بھلا کیسے شکریہ ادا کرسکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے فوراً اس الہام کو متشابہات میں سے قرار دیا، البتہ نچلی سطح کے چھوٹے موٹے انگریز افسر مرزا صاحب کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں مرزا صاحب کی پر اصرار خوشامدانہ خواہش اور تمنا کے مطابق تصدیق نامے اور خطوط جاری کردیا کرتے تھے۔ جنہیں وہ اپنی زندگی کا نہایت ہی مقدس، قابل فخر اور قیمتی اثاثہ سمجھ کر بڑی احتیاط اور حفاظت سے سنبھال کر رکھتے تھے۔ مرزا صاحب نے انگریزوں کے لئے جو خدمات سرانجام دیں، مثلاً جہاد کو حرام قرار دیا اور انگریز حکومت سے وفاداری بہ شرط استواری کو اپنے عقیدت مندوں کے لئے سب فرائض سے بڑھ کر اولین فریضہ قرار دیا تو وقتاً فوقتاً انگریز حکام سے خط و کتابت میں وہ اپنی ان خدماتِ جلیلہ کا حوالہ دیتے رہے۔ مثلاً وہ اپنی کتاب تریاق القلوب (۱۸۹۹۔۱۹۰۲ء) میں لکھتے ہیں ''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔'' (۳۴/ج) استعماری انگریز متکبر اور رعونت پسند تھے اس پر مرزا صاحب محسوس فرمایا کرتے تھے کہ ان کی خدماتِ جلیلہ کی مناسب قدر افزائی نہیں ہو رہی، چناں چہ مایوسی کی ایک کیفیت میں وہ نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر کو یوں لکھتے ہیں ''میں اٹھارہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مشغول ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کر رہی ہیں گو اکثر جاہل مولوی ہماری اس طرز اور رفتار اور ان خیالات سے سخت

ناراض ہیں اور اندر ہی اندر جلتے اور دانت پیستے ہیں، مگر افسوس کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس لمبے سلسلہ اٹھارہ برس کی تالیفات کو جن میں بہت سی پرزور تقریریں اطاعت گورنمنٹ کے بارے میں ہیں کبھی ہماری گورنمنٹ محسنہ نے توجہ سے نہیں دیکھا اور کئی دفعہ میں نے یاد دلایا مگر اس کا اثر محسوس نہیں ہوا، لہٰذا پھر میں یاد دلاتا ہوں کہ مندرجہ ذیل کتابوں اور اشتہاروں کو توجہ سے دیکھا جائے اور وہ مقامات پڑھے جائیں جن کے نمبر صفحات میں نے ذیل میں لکھ دیئے ہیں'' (۳۵/الف)

مرزا صاحب انگریز کا خود کاشتہ پودا تھے، چناں چہ کبھی کبھی متکبر افسروں سے مایوس ہونے کے باوجود ان سے عنایتِ خاص کی بھیک مانگتے یوں نظر آتے ہیں۔ ''میں ان خدماتِ خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاص اور جوش وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوش نودی کے لئے کی ہیں، عنایت خاص کا مستحق ہوں'' صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربے سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں، اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں'' (۳۵/ب) یہ ہیں گوشہ نشین اور موت سے پہلے اپنے تئیں مردہ سمجھنے والے مرزا صاحب جو مذکورہ بالا تحریروں کی رو سے انگریز کا خود کاشتہ پودا تھے اور جو ملکہ وکٹوریہ کی پاک نیتوں کی تحریک سے منصبِ نبوت پر فائز ہوئے تھے، لیکن ان کی سرپرست انگریز حکومت کی ان پر نظرِ انتخاب اس لئے تو نہیں پڑی تھی کہ وہ مسیحی مشنریوں میں کام کرنے والے عیسائی پادریوں کو للکاریں اور ان سے مناظرہ بازاری کا بازار گرم کردیں۔ اس غلط فہمی کو روکنے کے لئے مرزا صاحب عیسائی پادریوں کی سخت تحریروں کے حوالے سے انگریز سرکار دولت مدار کو یوں مطمئن کرتے ہیں'' مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو۔ تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لئے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔ تب میں نے بہ مقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدگمانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن

میں کسی قدر بالمقابل سختی تھی، کیوں کہ میرے کانشنس نے مجھے قطعی طور پر فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی موجود ہیں ان کے غیظ وغضب کی آگ بجھانے کے لئے یہ طریق کافی ہوگا، کیوں کہ عوض معاوضے کے بعد کوئی گلہ باقی نہیں رہتا۔ سو یہ میری پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ ہزار ہا مسلمان جو پادری عماد الدین وغیرہ لوگوں کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آچکے تھے ایک دفعہ ان کے اشتعال فرو ہوگئے کیوں کہ انسان کی یہ عادت ہے کہ جب سخت الفاظ کے مقابل اس کا عوض دیکھ لیتا ہے تو اس کا وہ جوش نہیں رہتا۔ بایں ہمہ میری تحریر پادریوں کے بالمقابل بہت نرم تھی، گویا کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ سو مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمتِ عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا اور میں دعوے سے کہتا ہوں، کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں، کیوں کہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجے پر بنا دیا ہے۔ اول والد مرحوم کے اثر نے دوم اس گورنمنٹ کے احسانوں نے، تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے۔ اب میں اس گورنمنٹ محسنہ کے زیر سایہ ہر طرح سے خوش ہوں۔'' (۳۵ر ج) مرزا صاحب کی اس طرح کی تحریروں سے بعض قادیانیوں میں کسی خوابیدہ غیرت نے کچھ انگڑائی لی تو قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ صاحب زادہ بشیر الدین محمود نے اس کا روحانی علاج یوں فرمایا۔ ''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں میں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو، مگر مجھے افسوس ہے کہ میں نے غیروں سے نہیں بل کہ احمدیوں (یعنی قادیانیوں، ناقل) کو یہ کہتے سنا ہے، میں ان ہیں احمدی ہی کہوں گا کیوں کہ نابینا بھی آخر انسان ہی کہلاتا ہے، کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آجاتی ہے۔ ان ہیں شرم کیوں مذکورہ آتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے اندر کی آنکھ نہیں کھلی۔'' (۳۶ر الف)۔ ہم نے مرزا قادیانی متنبی کی کتاب سے مذکرہ طرز کے غلیظ اور شرم ناک مضامین کے انبار سے صرف چند ایک کا ہی انتخاب مجبوراً کیا ہے۔ یقیناً ایسی عبارتیں سلیم الطبع حضرات کے لئے تکدر طبع کا سبب بنتی ہیں، لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مرزا صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ کئی لاکھ انسان میرے تابع ہوگئے، اس کا جھوٹ ہونا تو ہم یوں واضح کر چکے ہیں کہ مرزا صاحب کی موت کے ۲۳ سال بعد بھی ۱۹۳۱ عیسوی کی سرکاری مردم شماری کے مطابق قادیانیوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی کہیں کم کوئی پچپن ہزار کے قریب نکلی۔ اب رہا ان کا یہ فرمانا کہ قریباً تمام دنیا میں عزت کے ساتھ میری شہرت ہو گئی تو اگر ایسے کسی غلامانہ ذہنیت کے حامل، چاپلوس اور خوشامدی شخص کو معزز کہا جا سکتا ہے تو ان کی بات درست ہے۔ ان کی عزت افزائی کا نقشہ خود ان کے خسر میر ناصر نواب نے یہ کھینچا ہے کہ لاہور میں لوگوں

کے پر آشوب ہجوم کی دہشت ودہشت سے ان کی حفاظت کے لئے انگریز سرکاران کے لئے رحمت ثابت ہوئی تھی۔ مرزا صاحب نے مرض الموت میں خود اپنی زبان سے اپنے خسر میر ناصر نواب کو بتایا تھا کہ مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے لیکن اکثر قادیانی حضرات اپنے نبی اور اپنے نبی کے خسر کی تکذیب کی کھلی جسارت کرتے ہوئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ان کی موت ہیضے سے نہیں بل کہ اسہال سے ہوئی تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ سرکاری قانون کے مطابق ہیضے سے مرنے والے کی لاش ریل گاڑی میں نہیں لے جائی جاسکتی، مگر وہ اتنا نہیں سوچتے کہ مرزا صاحب ملکہ وکٹوریہ کی نیک نیتوں کی تحریک سے نبی بنے تھے اور انگریزوں کے اس خود کاشتہ پودے نے جہاد کو حرام قرار دیا اور انگریزی حکومت کے استحکام اور دوام کے لئے عمر بھر نہ صرف دعا گو رہے بل کہ اتنی کتابیں لکھیں اور اتنے اشتہارات پھیلائے جن سے بہ قول ان کے پچاس الماریاں بھر جائیں تو کیا ان کا اتنا حق بھی نہیں تھا کہ انگریز سرکار دولت مداران کے لئے قانون میں نرمی کرتی؟ ہم مانتے ہیں کہ مرزا صاحب کے خیال میں انگریزی حکومت ان کی خدماتِ جلیلہ کا مناسب صلہ اور معاوضہ نہیں دے رہی تھی، لیکن یہ حکومت اتنی بے مروت، بے حس اور احسان فراموش بھی نہیں ہوسکتی تھی کہ اپنے خود کاشتہ پودے کی آخری رسوم میں ان کی مخدوش عزت کی حفاظت نہ کرتی۔ مرزا صاحب نے اپنی قوم کی ایک نوخیز لڑکی محمدی بیگم کے متعلق یہ اعلان کر رکھا تھا کہ خدا نے مجھ سے اس کا نکاح آسمان پر پڑھ دیا ہے۔ مرزا صاحب کے ہزار جتن کے باوجود محمدی بیگم کا نکاح اس کے والدین نے ایک اور شخص مرزا سلطان محمد سے کردیا جو مرزا غلام احمد قادیانی کی پوری بقیہ زندگی میں ان کی اس آسمانی منکوحہ کو ساتھ لئے پھرتا رہا اور ان کی چھاتی پر مونگ دلتا رہا۔ یہ تو رہا مرزا صاحب کے مشہور اور معزز ہونے کا حال، تاہم انہوں نے یہ جو فرمایا تھا کہ ''کئی لاکھ روپیہ آیا'' تو بے اختیار منہ سے بات نکلتی ہے الئٰن جئت بالحق ''کہ اب تو نے ٹھیک بات کہی۔'' یہ لاکھوں روپیہ تھا جو ایک لاکھ سے بھی بہت کم ان کے عقیدت مند اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر ان ہیں چندے میں بھیجا کرتے تھے۔ اور دور حاضر کے اعتبار سے یہ اربوں نہیں تو بھی کروڑوں روپے بنتے ہیں۔ چندوں اور عطیات کی طلب کا یہ سلسلہ تو براہین احمدیہ کی تالیف کے ایام سے ہی شروع ہوچکا تھا جو مرزا صاحب کی زندگی کے آخری ایام تک تسلسل سے جاری رہا اور ہماری اس قدرے طویل خامہ فرسائی کا ایک مقصد یہ واضح کرنا بھی ہے کہ مرزا صاحب اپنے اعترافی ذہنی امراض مراق اور ہسٹیریا کی کیفیات سے کبھی باہر بھی آتے ہوں تو حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال حق کی جانب پلٹنے میں ان کے لئے سدراہ بن چکے تھے ورنہ اپنی بہت سی پیشین گوئیوں کا عبرتناک حشر دیکھتے ہوئے وہ صحیح سمت میں غور وفکر کے کچھ مواقع پیدا کرتے۔ مثلاً ۲۶ مئی ۱۸۹۳ عیسوی مطابق ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۱۰ ہجری

کو مرزا صاحب اور مولانا عبدالحق غزنویؒ کے درمیان امرتسر کی عیدگاہ میں مباہلہ ہوا۔ مولانا کا یہ مباہلہ اس بات پر تھا کہ مرزا صاحب اور ان کے متبعین سب کے سب کافر، دجال اور ملحد ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنی موت سے کوئی سات مہینے پہلے ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۷ عیسوی کو یہ اصول بیان کیا تھا ''مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔'' (۳۶/ب)

لاہور میں اپنے خسر کے مکان میں مرزا صاحب مرض ہیضے میں جب مبتلا ہوئے اور وہ خود اس مرض کو خدائی عذاب قرار دیا کرتے تھے تو اس وقت مولانا عبدالحق غزنویؒ زندہ تھے اور ان کا انتقال مرزا صاحب کی موت کے کوئی نو سال بعد ۱۶ مئی ۱۹۱۷ عیسوی کو ہوا۔ مرزا صاحب کے لئے تو یہ اور رجوع کا یہ سنہری موقع تھا لیکن بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے محروم رہے۔

مرزا صاحب کو زیادہ تر الہام روپیہ پانے کا ہوتا تھا، مثلاً حقیقۃ الوحی میں انہوں نے اپنی مزعومہ نبوت پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان ہیں وہ نشانات قرار دیتے ہیں۔ نشان نمبر ۹۹ کا تعلق بہ ذریعہ ڈاک دس روپے کی رقم کے آنے کا ہے۔ نشان نمبر ۱۱۶ میں بھی روپے ملنے کا الہام مذکور ہے۔ نشان نمبر ۱۲۴ میں ایک سو دس، بیس اور ایک سو تیس کل دو سو ساٹھ روپیہ ملنے کا الہام مذکور ہے۔ نشان نمبر ۱۳۴ میں مورخہ ۶ ستمبر ۱۸۸۳ عیسوی کو اکیس روپے ملنے کا الہام ہے۔ نشان نمبر ۱۴۷ میں مذکور ہے کہ مرزا صاحب کو ٹیچی ٹیچی نام کے ایک فرشتے کی مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۵ عیسوی کو خواب میں زیارت نصیب ہوئی جس نے مالی فتوحات کی ان ہیں بشارت دی جس کے نتیجے میں ان ہیں اس قدر فتوحات ہوئیں جن کا خیال و گمان تک نہ تھا اور کئی ہزار روپیہ آ گیا، جیسا کہ ڈاک خانے کا رجسٹر ۵ مارچ ۱۹۰۵ عیسوی سے تا آخر سال ظاہر کر رہا ہے۔ مرزا صاحب یہاں یہ بھی لکھتے ہیں ''یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی مجھ سے یہ عادت ہے کہ اکثر جو نقد روپیہ آنے والا ہو یا اور چیزیں تحائف کے طور پر ہوں، ان کی خبر قبل از وقت بہ ذریعہ الہام یا خواب کے مجھ کو دے دیتا ہے۔ اور اس قسم کے نشان پچاس ہزار سے کچھ زیادہ ہوں گے۔'' یعنی روپوں اور تحائف کے یہ الہامات اور خواب پچاس ہزار کے قریب ہیں، ان سے کتنی دولت مرزا صاحب کے ہاتھ لگی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ نشان نمبر ۱۵۱ میں بہ ذریعہ الہام خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر ریاست پٹیالہ سے ایک مرتبہ اڑھائی سو روپیہ اور دوسری مرتبہ پھر اڑھائی سو روپیہ اور دیگر لوگوں سے بھی روپیہ کی مدد ملنے کا ذکر ہے (۳۶/ج) پیسے سے کھیلنے کا مرزا صاحب کو عنفوانِ شباب سے ہی بہت شوق تھا۔ ان کے صاحب زادے مرزا بشیر احمد سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں ''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین

بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بہ جائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھراتا رہا۔ پھر جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر (سات سو) ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اسی شرم سے واپس گھر نہیں آئے۔ آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تن خواہ پر ملازم ہو گئے۔'' (۳۷/الف) یہ سات سو روپے کی اس دور کی رقم دور حاضر کے لاکھوں روپے کے برابر بنتی ہے۔ یہ سات سو روپیہ کی رقم جن شرم ناک کاموں پر خرچ ہوئی ان کی وجہ سے مرزا صاحب شرمندگی کے مارے گھر نہیں آئے۔ ہم آئندہ مباحث میں ''وحی شیطانی'' کے عنوان کے تحت مزید ٹھوس شواہد سے یہ ثابت کریں گے کہ مرزا صاحب پر شیطانی وحی کا نزول ہوا کرتا تھا، جسے وہ عمداً یا سہواً ناحق ربانی وحی قرار دیتے رہے۔ روپے پیسے اور تحائف والی وحی اکثر و بیشتر صحیح نکلتی تھی۔ اگر ساری شیطانی وحی اور ساری شیطانی پیشین گوئیاں جھوٹی ہوا کریں تو شیاطین کو کون منہ لگائے گا۔ خود مرزا صاحب کو بھی شیطانی وحی کا اعتراف ہے۔ وہ حقیقۃ الوحی (۱۹۰۷ء) میں لکھتے ہیں ''ممکن ہے کہ ایک خواب سچا بھی ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ ایک الہام سچا ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو کیوں کہ اگرچہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکہ دیتا ہے، تا کہ ایمان چھین لے''۔ (۳۷/پ)

تحفہ گولڑویہ (۱۹۰۰ء) میں مرزا صاحب اپنا ذاتی تجربہ یوں بتاتے ہیں ''راقم کو اس بات کا تجربہ ہے کہ اکثر پلید طبع اور سخت گندے اور ناپاک اور بے شرم اور خدا سے نہ ڈرنے والے اور حرام کھانے والے فاسق و فاجر بھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں''۔ (۳۷/ج) یہاں ہم یاد دلانا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے بدقسمتی سے اپنے ہی قلم سے اپنے آپ کو بھی کافروں اور بے شرم لوگوں میں شامل کر رکھا ہے، لہٰذا ان کی یہ بات بالکل درست اور ان کا ذاتی تجربہ بالکل صحیح ہے کہ ایسے لوگ بھی سچی خوابیں دیکھ لیا کرتے ہیں اور ان پر شیطانی الہام کا نزول بھی بالکل ممکن ہے۔ اپنے حقیقی نبی ہونے کے دعوے سے پہلے جب مرزا صاحب ختم نبوت کے صحیح مفہوم کی وکالت کیا کرتے تھے ان ایام میں انہوں نے لکھا تھا۔'' مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں،،۔ (۳۸/الف)

آسمانی فیصلہ (۱۸۹۱ء) میں وہ لکھتے ہیں ''اے لوگو.....! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔ (۳۸/پ) مرزا صاحب نے بعد میں ۱۹۰۱ء عیسوی میں نبوت کا دعویٰ داغ دیا اور اپنی ہی سابقہ تحریروں کی رو سے وہ ''اسلام سے خارج ہو گئے کافروں سے جا ملے، دشمن قرآن ہو گئے اور اس خدا سے بے شرم ہو گئے جس کے سامنے مرزا صاحب اور دوسرے لوگ حاضر کیے جائیں گے''۔ صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۰۱ عیسوی میں ''نبی'' بن

جانے کے بعد ان پر شیطانی وحی ہی نازل ہوسکتی تھی اور ہم قبل ازیں مرزا صاحب کی تحریروں سے یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ وہ ملکہ وکٹوریہ کی پاک نیتوں کی تحریک سے منصب نبوت پر فائز ہوئے تھے اور یہ کہ وہ بہ قول خود انگریز کا خود کاشتہ پودا تھے، تو ان پر ربانی وحی کہاں سے نازل ہوتی شیطانی وحی ہی نازل ہوسکتی تھی اسی لیے تو قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ صاحب زادہ اور بشیر الدین محمود نے یہ دہائی دی ہے کہ مرزا صاحب کی ۱۹۰۱ء عیسوی سے پہلے کی ان تحریروں کو منسوخ سمجھا جائے جن میں انہوں نے اپنی نبوت سے انکار کیا ہے۔

اب تک کے مباحث میں قطعیت سے یہ ثابت ہو چکا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے قلم اور اپنے صاحبزادے بشیر الدین محمود احمد کے قلم سے عمر بھر کے لیے مشرک عظیم ماکول الحسنات اور شیطان کا کھلونا بنے رہے، اور اس سلسلے میں کوئی بھی تاویل یا توجیہ ہرگز (پھر دہرائیے) ہرگز ان کی گلوخلاصی نہیں کرسکتی، بے شک حقیقت یہ ہے کہ آسمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے کا عقیدہ ہرگز شرک نہیں بل کہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے لیکن مرزا صاحب نے اس اجماعی عقیدے کو (معاذ اللہ ثمہ معاذ اللہ) نیکیاں کھا جانے والا، خلافِ عقل عقیدہ اور شرک عظیم قرار دیا تو وہ خود نہ صرف الزامی رنگ میں بل کہ حقیقتاً بھی مشرک عظیم ہوگئے کہ انہوں نے اجماعی عقیدے کا انکار اور اپنی نبوت کا دعویٰ کر کے کفر کا ارتکاب کیا، کفر اور شرک لازم وملزوم ہیں، کیوں کہ شرک صرف بت پرستی ہی کا نام نہیں ہے نفس پرستی اور اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں خواہش پرستی بھی کفر اور شرک ہے جیسا کہ ہم شرک کے مباحث میں واضح کر چکے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اس عقیدے کو شرک قرار دیا جس پر وہ خود بھی باعترافِ خود براہین احمدیہ کی تصنیف کے بعد بارہ سال تک قائم رہے تھے، حال آں کہ اللہ کا نبی اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے میں ایک ثانیے (سیکنڈ) کے کروڑویں حصے بل کہ اس سے بھی کم وقت کے لیے کفر وشرک پر قائم نہیں ہوا کرتا، اس کے باوجود کسی کو یہ غلط فہمی لاحق ہو کہ شاید مسلمانوں کو شرکِ عظیم سے بچانے کی بے چینی اور تڑپ نے مرزا صاحب کو نبوت کا مستحق بنا دیا ہو تو یہ غلط فہمی بھی پوری طرح دور ہو جانی چاہیے، مرزا صاحب کہتے ہیں۔ ''ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیح علیہ السلام کی وفات وحیات پر جھگڑے اور مباحثے کرتے پھرو، یہ ایک ادنی سی بات ہے''۔ (۳۸/ ج) احمدی اور غیر احمدی میں فرق (۱۹۰۵ء) میں وہ لکھتے ہیں ''یہ بات صحیح نہیں کہ میرا دنیا میں آنا صرف حیاتِ مسیح کی غلطی کو دور کرنے کے واسطے ہے اگر مسلمانوں کے درمیان صرف یہی ایک غلطی ہوتی تو اتنے کے واسطے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ غلطی دراصل آج نہیں پڑی بل کہ میں جانتا ہوں کہ آں حضرت ﷺ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ غلطی پھیل گئی تھی اور کئی خواص اولیاء اللہ کا یہی خیال تھا اگر یہ کوئی ایسا اہم امر ہوتا تو خدا تعالیٰ اسی زمانے میں اس کا

ازالہ کر دیتا۔ (۳۸، ۱۲/) لیجئے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ مرزا صاحب نے نزدیک ایک طرف تو شرک عظیم نیکیوں کو کھا جانے والا اور خلافِ عقل ہے تو دوسری طرف یہ شرکِ عظیم' خلاف عقل ہونا اور نیکیوں کی بربادی کوئی ایسا اہم امر نہیں کہ خدا خواہ مخواہ کسی رسول کو صرف اسی کام کے لیے بھیج دیتا، بل کہ بڑے بڑے خواص اولیاء بھی مشرک عظیم ہونے کے باوجود خواص اولیاء اللہ ہی تھے۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی تشریف آوری امت مسلمہ کو کسی شرک عظیم سے نکالنے کے لیے نہیں بل کہ ان کی یہ ''سبز قدمی'' برطانوی ملکہ وکٹوریہ کی نیک نیتوں کا ثمرہ تھی تا کہ جاہل ملاؤں کے جہادی فتوں کے زیر اثر ''احمق اور جوشیلے'' مسلمانوں کی ''خودسری اور شورش'' سے انگریز سرکار دولت مدار کو بچایا جا سکے اور ۱۸۵۷ عیسوی جیسا کوئی ''نامعقول'' اور ناگہانی سانحہ پھر سر نہ اٹھائے۔ مرزا صاحب پر مزعومہ وحی اور الہامی پیشین گویوں کا جو انبار نازل ہوا اس میں اس طرح کی الہامی پیشین گوئی شاید ہی کہیں نظر آئے کہ مرزا صاحب کی انگریز سرکار کے اقبال وجلال اور دوام واستحکام کے لیے عمر بھر کی دعاؤں اور عملی کاوشوں کے عین برعکس یہ سرکار ۱۹۴۷ عیسوی میں برصغیر سے بستر بوریا گول کر کے رفو چکر ہو جائے گی۔ ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار (جاری ہے)

حوالہ جات

علم غیب کلی و دیگر متعلقات

۱۔ (الف) القرآن الکریم: البقرہ ۳۰ سے ۳۳، الاعراف: ۱۹۔۲۳ (ب) النمل: ۲۳ (ج) ھود: ۴۵۔۴۷

۲۔ (الف) ھود: ۳۶ (ب) نوح: ۲۶۔۲۷ (ج) الصافات: ۱۰۰۔۱۰۶

۳۔ (الف) التوبہ: ۱۱۴ (ب) ھود: ۷۰۔۷۶ (ج) بائبل: پرانا عہد نامہ کتاب پیدائش ۱۶: ۱۲، ایضاً ۲۱: ۵

۴۔ (الف) الانعام: ۷۵ (ب) الاعراف: ۱۸۵ (ج) مریم: ۴۳

۵۔ (الف) ابراہیم: ۳۷ (ب) ایضاً: ۳۹ (ج) ایضاً: ۳۸

۶۔ (الف) ھود: ۷۷۔۸۱ (ب) یوسف: ۴۔۱۷ (ج) ایضا: ۸۴

۷۔ (الف) ایضاً: ۵ (ب) ایضاً: ۱۸ (ج) ایضاً: ۸۳

۸۔ (الف) ایضا: ۸۵ (ب) ایضاً: ۸۳ (ج) ایضا: ۸۶

۹۔ (الف) الکہف: ۶۰۔۸۲ (ب) بخاری: ج ۲، ص ۶۸۸۔ مسلم: ج ۲، ص ۲۶۹ (ج) القصص: ۱۴۔۲۵

۱۰۔ (الف) الاعراف: ۱۴۳ (ب) ایضا: ۱۴۷۔۱۵۱ (ج) ایضاً: ۱۴۵، یوسف: ۱۱۱

۱۱۔ (الف) الصافات: ۲۱۔۲۳ (ب) الانبیاء: ۷۸۔۷۹ (ج) النمل: ۲۰۔۲۴

۱۲۔ ایضاً: ۲۷، ۲۸ (ب) ایضاً: ۱۸ (ج) الطفات: ۱۳۹۔۱۴۴۔ یونس ۹۸۔ الانبیاء: ۸۷

۱۳۔ (الف) البقرہ: ۲۵۹ (ب) مریم: ۳۔۵ (ج) ایضا: ۷۔۱۰

۱۴۔(الف) المائدہ:۱۱۶۔۱۱۷ (پ) الانعام:۱۰۷ (ج) ال عمران:۴۹

۱۵۔(الف) بخاری: ج۲،ص۸۳۱۔ مسلم: ج۲،ص۱۵۱ (ب) المستدرک للحاکم: ج۲،ص۱۴۔ واقفہ الذھبی (ج) ابوداؤد: ج۲،ص۲۶۴

۱۶۔(الف) سیرۃ ابن ہشام: ج۱،ص۲۶۱۔۲۶۳ (ب) النجم:۱۰ (ج) بخاری: ج۱،ص۵۴۸۔ مسلم: ج۱،ص۹۶

۱۷۔(الف) الانعام:۵۰ (ب) بائبل، نیا عہد نامہ، فلپیوں ۲:۶۔۸ (ج) کلسیوں:۲۔۹

۱۸۔(الف) انجیل متی:۲۶۔۵۴ (ب) البقرہ:۱۵۴۔ (ج) النساء:۹۴

۱۹۔(الف) ایضاً:۱۷۱۔ (ب) ھود:۳۱ (ج) الشعراء:۱۱۲۔۱۱۳

۲۰۔(الف) النمل:۶۵ (ب) الاعراف:۱۸۸ (ج) مریم:۳۰۔۳۳

۲۱۔(الف) ھود:۱۲۰ (ب) النساء:۱۶۴۔ (ج) المائدہ:۷۵

۲۲۔(الف) مریم:۱۸، (ب) ایضا:۲۱۔ (ج) الکہف:۱۹

۲۳۔(الف) ششماہی الیسرۃ عالمی، شمارہ ۲۲ رمضان ۱۴۳۰ ہجری/ستمبر ۲۰۰۹ صفحات ۱۹۰، ۲۰۲ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز اے ۴/۷ ناظم آباد نمبر ۴، کراچی (پ) الزمر:۳ (ج) المائدہ:۷۵

۲۴۔(الف) المؤمن:۶۰ (ب) جمع الفوائد: ج۲،ص۴۸۳، حدیث رقم ۹۲۱۷ بہ حوالہ ابوداؤد، ترمذی (ج) ایضاً: ج۲،ص۴۸۴ حدیث رقم ۹۲۱۹ للترمذی

۲۵۔(الف) فاطر:۱۳۔۱۴ (ب) المائدہ:۱۱۶ (ج) التوبہ:۳۱

۲۶۔(الف) الاعراف:۱۹۴، (پ) الاحقاف:۴۔۶ (ج) الاحقاف:۴، فاطر:۴۰ (د) المائدہ:۴۰۔۴۱

۲۸۔(الف) یونس:۱۸ (ب) الحج:۱۲ (ج) الاعراف:۱۹۴

۲۹۔(الف) الاعراف:۱۹۱۔۱۹۲ (ب) یونس:۱۰۶۔۱۰۷ (ج) الرعد:۱۴

۳۰۔(الف) النحل:۲۱ (ب) بنی اسرائیل:۵۶ (ج) الشعراء:۲۱۳

۳۱۔(الف) المؤمن:۶۵۔۶۶ (ب) سبا،:۲۲ (ج) النمل:۶۲

۳۲۔(الف) الانعام:۷۱۔ (ب) الاعراف:۲۳ (ج) المؤمنون:۲۹

۳۳۔(الف) الصافات:۱۰۰۔ (ب) الانبیاء:۸۳ (ج) ایضاً:۸۷

۳۴۔(الف) آل عمران:۳۸۔ (ب) القصص:۲۴۔ (ج) المائدہ:۱۱۴

۳۵۔(الف) طٰہٰ:۱۱۴ (ب) النساء:۶۴۔ (ج) الصف:۱۴

۳۶۔(الف) الکہف:۹۵ (ب) البقرہ:۴۵ (ج) المائدہ:۲

۳۷۔(الف) آل عمران:۸۱ (ب) محمد:۷ (ج) الانفال:۶۴

۳۸۔(الف) ایضاً:۶۲ (ب) التحریم:۴ (ج) المائدہ:۵۵

۳۹۔(الف) الانفال:۷۲ (ب) حم السجدہ ۳۱ (ج) البقرہ ۲۳

۴۰۔ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ: ج۵،ص۱۳۷ بہ حوالہ مسند احمد۔ مشکوۃ المصابیح: ص۸۴ (ب) البقرہ:۲۵۴ (ج) المائدہ:۳۵

۴۱۔(الف) بنی اسرائیل:۵۷۔ (بلا) بخاری: ج۲،ص۸۸۳۔ مسلم: ج۲،ص۳۵۳ (ج) البقرہ:۱۰۴

۴۲۔(الف) تاریخ طبری: ج ۴،ص ۹۸۔ البدایہ والنہایہ: ج ۷،ص ۸۶۔۸۷۔ دارالحدیث القاہرہ (مصر) ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲م (ب) ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری: ج ۳،ص ۱۴۸۔ البدایہ والنہایہ: ج ۷،ص ۸۶۔۸۷ طبری: ج ۴،ص ۹۸۔۹۹ (ج) تاریخ ابن خلدون: ج ۲،ص ۹۶۹

۴۳(الف) الاعراف: ۱۸۸۔(ب) الجن: ۲۱ (ج) الاحقاف: ۵

۴۴(الف) ابن سنی: ص ۵۹۔ کتاب الاذکار: ص ۱۳۵ (ب) بخاری: ۱/۴۵۰، ۲/۶۲۲ (ج) میزان الاعتدال: ج ۳،ص ۳۶۴۔ لسان المیزان: ج ۶،ص ۳۹۴

۴۵۔(الف) میزان الاعتدال: ج ۳،ص ۱۲۷ (ب) ایضاً: ج ۱،ص ۳۵۵۔ تقریب التہذیب: ج ۱،ص ۱۳۰ (ج) میزان الاعتدال: ج ۲،ص ۲۲۳

۴۶۔(الف) کتاب الاذکار: وغیرہ (ب) میزان الاعتدال: ج ۳،ص ۱۸۳۔ لسان المیزان: ج ۶،ص ۶۱ (ج) ابن سنی: ص ۱۱۳

۴۷۔(الف) میزان الاعتدال: ج ۱،ص ۱۱، ۳۱۷۔ تہذیب: ج ۶،ص ۳۵۱۔ ج ۱،ص ۱۰۴ (ب) مطابق حوالہ ۲۳۔الف (ج) ششماہی السیرۃ۔ شمارہ ۲۳۔ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ/فروری ۲۰۱۰ء: ص ۲۰۶

۴۸(الف) البقرہ: ۲۶۱ (ب) عبس: ۲۷ (ج) البقرہ: ۱۶۵ (د) جمع الفوائد: ج ۱،ص ۴۳۷ حدیث رقم ۴۲۸۸

۴۹۔(الف) مشکوۃ المصابیح: ص ۳۹۶ (ب) مجمع الفوائد: ج ۱،ص ۳۴۵، حدیث رقم ۳۳۹۵ للترمذی (ج) ایضاً: ج ۱،ص ۳۴۷ حدیث رقم ۳۴۲۳ للترمذی وابی داؤد واللفظ لہ

۵۰۔(الف) ال عمران: ۳۵، (ب) جمع الفوائد: ج ۱،ص ۴۱۲، احادیث رقم ۴۰۴۰۔۴۰۴۱ (ج) ایضاً: ج ۲،ص ۳۴۵ حدیث ۸۳۶۹ بلفظ مسلم

۵۱۔(الف) ایضاً: ج ۱،ص ۳۹۲، حدیث رقم ۳۸۴۴، لابی داؤد ومسلم (ب) النساء: ۱۴ (ج) الحجرات: ۱۳ (د) الطور: ۲۱

۵۲۔(الف) المائدہ: ۸ (ب) ششماہی مجلہ السیرۃ عالمی۔ شمارہ ۱۸۔ رمضان ۱۴۲۸ھ/ستمبر ۲۰۰۷ء: ص ۱۸۲۔۱۹۴ (تردید تثلیث) (ج) انجیل مرقس: ۸۔۱۱۔۱۲

۵۳۔(الف) الحجر: ۲۹ (ب) التوبہ: ۳۱۔(ج) بہ مطابق حوالہ ۵۲۔ب (د) السیرۃ۔ شمارہ ۲۲: ص ۱۸۶۔۲۰۲ (ھ) یوسف: ۲۱

۵۴۔(الف) النحل: ۵۱۔(ب) الحج: ۷۳۔(ج) الانعام: ۱۰۱

۵۵۔(الف) الاخلاص: ۳۔(ب) التوبہ: ۳۰ (ج) النحل: ۵۹

۵۶۔(الف) بنی اسرائیل: ۴۳ (ب) فتوح الغیب ملحقہ جواہر خمسہ ص ۴۵۱۔ دارالاشاعت، کراچی۔ (ج) ابراہیم: ۲۵

۵۷۔الف، التوبہ: ۳۴ (ب) الفرقان: ۱۷۔۱۹ (ج) آل عمران: ۷۹۔۸۰

۵۸۔(الف) الاحقاف: ۶ (ب) سبا: ۴۱ (ج) النساء: ۱۱۷

۵۹۔(الف) الانعام: ۱۰۰۔(ب) تہذیب سیرۃ ابن ہشام۔ تہذیب مروان کجک: ص ۳۴۔ دارطیبہ الریاض ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م (ج) مسلم: ج ۱،ص ۳۱۲

۶۰۔(الف) بخاری: ج ۱،ص ۶۲۔ ج ۲،ص ۶۳۹۔ موطا امام مالک: ص ۳۶۰ (ب) ابراہیم: ۳۵۔۳۶ (ج) الاعراف: ۱۹۵

۶۱۔(الف)ھود:۱۰۱(ب)حم السجدہ:۳۷(ج)المائدہ:۱۱۷
۶۲۔(الف)ایضاً:۵۰(ب)النساء:۶۵(ج)المائدہ:۴۴
۶۳۔الف)الروم:۳۰۔(ب)مجمع الفوائد:ج۱،ص۲۲،حدیث رقم۱۰۱(ج)لقمان:۱۳
۶۴۔(الف)ال عمران:۳۱(ب)البقرہ:۲۵۷(ج)النساء:۱۱۶
۶۵۔(الف)ال عمران:۱۵۱(ب)الحج:۳۱(ج)المائدہ:۷۲
۶۶۔(الف)النساء:۴۸(ب)انجیل متی:۲۸۔۱۸(ج)فاطر:۱۴
۶۷۔(الف)البقرہ:۲۹(ب)النساء:۸۰(ج)الصف:۱۴
۶۸۔(الف)سبا:۴۱(ب)یاسین:۶۰(ج)التوبہ:۳۱(د)النساء:۴۸

فتنہ قادیانیت

قادیانیوں نے مرزا غلام احمد متنبی قادیان کی تصانیف کو زمنی ترتیب کے اعتبار سے ۲۳ جلدوں میں ''روحانی خزائن'' کے نام سے شائع کیا ہے جن کے بیشتر مضامین کی حیثیت شیطانی خزائن کی ہے ہم نے تکرار سے بچنے کے لیے روحانی خزائن کی بہ جائے انہیں ''رخ'' سے ظاہر کیا ہے۔

۱۔(الف)الانفال:۴۲(ب)حم السجدہ:۴۱۔۴۲(ج)الفتح:۲۸
۲۔(الف)براہین احمدیہ(رخ:ج۱،ص۵۹۳)چشمہ معرفت(رخ:ج۲۳،ص۹۱)(ب)بنی اسرائیل:۸
(ج)براہین احمدیہ حصہ چہارم(رخ:ج۱،ص۶۰۱،۶۰۲)
۳۔(الف)براہین احمدیہ(رخ:ج۱،ص۴۳۱)حاشیہ درحاشیہ(ب)ازالہ اوھام:ص۸۱۔رخ:ج۳،ص۱۴۲
(ج)آئینہ کمالات اسلام:(رخ:ج۵،ص۴۰۹)
۴۔(الف)توضیح المرام:ص۳۔رخ:ج۳،ص۵۲(ب)ازالہ اوھام:ص۵۵۷۔رخ:ج۳،ص۴۰۰
(ج)اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح:ص۷،رخ:ج۱۹،ص۱۱۳
۵۔(الف)کتاب البریہ ص۱۴۶،رخ:ج۱۳،ص۱۷۷،(ب)ملفوظات مرزا قادیانی مرتبہ منظور الٰہی قادیانی:ج۲،ص۳۷۲
(ج)الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی:ص۳۹۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور،طبع ۱۹۵۲ء
۶۔(الف)ترجمہ عربی مکتوب مرزا غلام احمد قادیانی بنام مشائخ ہند مندرجہ انجام آتھم:ص۱۴۳(قدیم طباعت:ص۱۳۰)
(ب)کتاب البریہ حاشیہ:ص۱۸۴۔رخ:ج۱۳،ص۲۱۷،۲۱۸(ج)حمامۃ البشریٰ:ص۲۴،رخ:ج۷،ص۲۰۰
۷۔(الف)براہین احمدیہ:ج۱،ص۴۴۸،حاشیہ۔رخ:ج۱،ص۵۳۶ حاشیہ(ب)النساء:۴۸(ج)براہین احمدیہ(رخ:۱،ص۵۳۷)
۸۔(الف)مقدمہ براہین احمدیہ(رخ:ج۱،ص۱۰۲)(ب)براہین احمدیہ:ص۲۴۹،رخ:۱،ص۲۷۵
(ج)ایضاً:ص۲۴۹۔رخ:ج۱،ص۲۷۵
۹۔(الف)حمامۃ البشریٰ:ص۱۰۔رخ:ج۷،ص۱۸۶(ب)نور الحق:ص۷۲حصہ دوم(ج)مواہب الرحمٰن:ص۳،

رخ: ج۱۹،ص۲۲۱

۱۰۔(الف) آئینہ کمالاتِ اسلام (رخ: ج۵،ص۹۳) (ب) کراماتِ الصادقین: ص۵ (ج) ست بچن: ص۳۰۔ رخ: ج۱۰،ص۱۴۲)

۱۱۔الف)حقیقۃ الوحی: ص۱۸۴۔رخ: ج۲۲،ص۱۹۱ (ب) ضمیمہ براہین احمد: حصہ پنجم،ص۱۱۲،رخ: ج۲۱،ص۲۷۵ (ج) حضرت مسیح موعود کے کارنامے ص۲۹ تقریر مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان

۱۲۔(الف) خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود۔مندرجہ قادیانی اخبار الفضل مورخہ ۳،اکتوبر ۱۹۲۵ء:ص۵

(ب) نور الحق: ج۱،ص۵۰،رخ: ج۸،ص۶۸۔۶۹ (ج) جماعۃ البشری۔رخ: ج۷،ص۲۲۱

۱۳۔(الف) قادیانی اخبار البدر،۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء:صفحہ۷،انوار العلوم: ج۷،ص۱۲۴۔منقول از مجلّہ نقیب ختم نبوت ملتان ماہ جولائی ۲۰۱۰ء:ص۳۵ (ب) نور الحق: حصہ دوم،ص۷۲ (ج) فتح الباری: ج۷،ص۱۶۲

۱۴۔ (الف) آئینہ کمالاتِ اسلام :ص۲۱۔ رخ: ج۵،ص۲۱ (ب) جمع الفوائد: ج۱،ص۵۰۵، حدیث رقم ۴۹۱۰ للشیخین وابی داؤد (ج) انجام آتھم: ص۱۴۳

۱۵۔(الف) الحجر (ب) جنگ مقدس: ص۲۱۔رخ: ج۶،ص۲۹۲۔۲۹۳ (ج) اشتہار مرزا قادیانی۔مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۹۴ء مندرجہ ذیل تبلیغ رسالت: ج۳،ص۱۱۵

۱۶۔(الف) جماعۃ البشری:ص۹۹۔رخ: ج۷،ص۳۰۰ (ب) ازالہ اوہام:ص۱۹۰۔رخ: ج۳،ص۱۹۲ (ج) تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸،رخ ۲۲/۵۰۳

(۱۷)(الف) دافع البلاء:ص۱۱۔رخ: ج۱۸،ص۲۳۱ (ب) اعجاز احمدی:ص۷۔۸۔رخ: ج۱۹،ص۱۱۳۔۱۱۴ (ج) اربعین نمبر۲ص۲۱۔رخ: ج۱۷،ص۳۶۹

۱۸۔(الف) ایک غلطی کا ازالہ:ص۲۔رخ: ج۱۸،ص۲۰۷ (ب) نور الحق ح: صہ دوم،ص۷۲ (ج) الطور:۴۲

۱۹۔(الف) مکتوب مرزا غلام احمد قادیانی بہ نام حکیم نور الدین مورخہ ۲۰ جون ۱۸۸۶ مکتوبات احمدیہ مؤلفہ یعقوب علی عرفانی۔قادیانی: جلد۵ نمبر۲،ص۸ (ب) قادیانی اخبار الفضل۔مورخہ ۹ جولائی ۱۹۳۸ء ص۹ (ج) نور الحق: ص۷۲، حصہ دوم۔

۲۰۔(الف) براہین احمدیہ:ص۴۴۸۔حاشیہ رخ: ج۱،ص۵۳۶ حاشیہ (ب) ایضاً۔رخ: ج۱،ص۵۳۷ (ج) ایضاً:ص۲۵۴۔حاشیہ پہلی فصل

۲۱۔(الف) ایضا۔رخ: ج۱،ص۵۳۹،۶۰۱۔۶۰۲ (ب) ایضاً۔رخ: ج۱،ص۸۸ (ج) نزول المسیح:ص۸۹۔ رخ: ج۱۸،ص۴۶۷۔

۲۲۔(الف) ایضاً:ص۱۰۸۔رخ: ج۱۸،ص۴۸۶ (ب) ایک غلطی کا ازالہ:ص۲۔رخ: ج۱۸،ص۲۰۷۔تبلیغ رسالت: ج۱۰،ص۱۴

مجموعہ اشتہارات ص۴۳۱۔۴۳۲ (ج) آئینہ صداقت ص۱۳۵ مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان

۲۳۔(الف) آئینہ کمالات اسلام:ص۲۱۔رخ: ج۵،ص۲۱ (ب) ملفوظات مرزا قادیانی: ج۲،ص۳۷۶۔ اخبار الحکم قادیان: جلد۵،نمبر۴۰ مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء (ج) سیرۃ المہدی: ج۲،ص۵۵۔مصنفہ مرزا بشیر احمد ولد مرزا غلام احمد قادیانی

۲۴۔ (الف) مضمون ڈاکٹر شاہ نواز قادیانی۔ ریویو آف ریلیجنز قادیان بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء: ص ۶۔۷
(ب) ایضاً: ص ۱۱، (ج) ابراہیم: ۲۷ (د) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۳۴۰، حدیث رقم ۸۳۲۵

۲۵۔ (الف) ایضاً: ج ۲، ص ۳۴۱، حدیث رقم ۸۳۲۶ (ب) ایضاً: ج ۲، ص ۳۴۳، حدیث رقم ۸۳۵۲۔ رواہ الدارمی وابن عساکر ایضاً کنز العمال: ج ۶، ص ۱۰۹ (ج) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۳۳۷، حدیث رقم ۸۳۱۷

۲۶۔ (الف) اشتہار ا مرزا غلام احمد قادیانی مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۹۴ء۔ مندرجہ ذیل تبلیغ رسالت: ج ۳، ص ۱۱۵
(ب) جماعۃ البشریٰ ص: ۹۶۔ رخ: ج ۷، ص ۲۹۷

۲۷۔ (الف) آسمانی فیصلہ: ص ۲۵۔ رخ: ج ۴، ص ۳۳۵ (ب) حقیقۃ الوحی: ص ۱۵۰، (ج) مطابق حوالہ: ۲۳ ب

۲۸۔ (الف) اربعین نمبر ۲: ص ۲۱۔ رخ: ج ۱۷، ص ۳۶۹ (ب) تبلیغ رسالت: ج ۲، ص ۸۵۔ ج ۳، ص ۱۱۵۔ ۱۱۶۔۱۸۶ (ج) انجام آتھم: ص ۳۱۔ رخ: ج ۱۱، ص ۳۱ حاشیہ

۲۹۔ (الف) مطابق حوالہ بالا: ۱۹/ الف (ب) اشتہار مرزا قادیانی۔ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷۔ مندرجہ تبلیغ رسالت: ج ۱۰، ۱۳۱۔ مجموعہ اشتہارات: ج ۳، ص ۵۷۱ (ج) النساء: ۱۲۰

۳۰۔ (الف) حقیقۃ النبوۃ۔ مرزا بشیر الدین محمود: ص ۱۲۱ (ب) آئینہ کمالات اسلام: ص ۲۱۔ رخ: ج ۵، ص ۲۱
(ج) حقیقۃ الوحی: ص ۱۴۹، رخ ۲۲/ ۱۵۲۔۱۵۳ (د) ملفوظات مرزا قادیانی مرتبہ منظور الٰہی قادیانی ۲/ ۳۷

۳۱۔ (ب) جماعۃ بشریٰ (رخ ۷/ ۲۲۱) نور الحق ۱/ ۵۰، رخ ۸/ ۶۸۔۶۹ (ب) البقرہ ۱۴۳۔ (ج) طٰہٰ ۵

۳۲۔ آل عمران: ۷ (ب) اعجاز احمدی۔ ضمیمہ نزول المسیح: ص ۷، ۸۔ رخ: ج ۱۹، ص ۱۱۳، ۱۱۴ (ج) حقیقۃ الوحی: ص ۳۳۴

۳۳۔ (الف) حیات ناصر: ص ۱۴۔ خود نوشت سوانح منر۔ ناصر نواب خسر مرزا قادیانی (ب) ایضاً: ص ۱۴۔۱۵
(ج) ستارۂ قیصریہ ص ۹۔۱۰ رخ ۱۵/ ۱۱۲، ۱۱۵ (د) ایضاً ص ۲، ۴، ۵، رخ ۱۰/ ۱۱۹، ۱۲۰

۳۴۔ (الف) حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست، عریضہ خاک سار غلام احمد قادیان المرقوم ۲۷ ستمبر ۱۸۹۹ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت: ج ۸، ص ۶۱۔ مجموعہ اشتہارات: ج ۴، ص ۱۵۰ (ب) البشریٰ: ج ۲، ص ۵۷ (ج) تریاق القلوب: ص ۱۵۔ رخ: ج ۱۵، ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

۳۵۔ (الف) درخواست بہ حضور لیفٹیننٹ گورنر بہادر رام اقبالہ من جانب خاک سار مرزا غلام احمد قادیانی مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء۔ تبلیغ رسالت: ج ۷، ص ۱۱۔۱۳
(ب) درخواست بہ نام لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ (مذکورہ بالا) مندرجہ تبلیغ رسالت: ج ۷، ص ۱۹۔۲۰ (ج) تبلیغ رسالت: ج ۸، ص ۵۱۔۵۳

۳۶۔ (الف) خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود۔ مندرجہ قادیانی اخبار الفضل۔ ۷ جولائی ۱۹۳۲ء (ب) رد قادیانیت کے زرین اصول۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی۔ طبع اول جنوری ۲۰۰۱ء ص ۲۵۲۔ ملفوظات مرزا قادیانی: ج ۹، ص ۴۴۰
(ج) حقیقۃ الوحی صفحات ۲۴۸، ۲۶۳، ۲۷۹، ۲۸۰، ۳۰۵، ۳۳۲، ۳۳۶، وغیرہ۔

۳۷۔ (الف) سیرۃ المہدی: ج ۱، ص ۴۳۔ مؤلفہ مرزا بشیر احمد قادیانی (ب) حقیقۃ الوحی: ص ۳ (ج) تحفہ گولڑویہ: ص ۴۸

۳۸۔ (الف) جماعۃ البشریٰ: ص ۹۶۔ رخ: ج ۷، ص ۲۹۷ (ب) آسمانی فیصلہ: ص ۲۵۔ رخ: ج ۴، ص ۳۳۵
(ج) ملفوظات احمدیہ: ج ۲، ص ۷۲ (د) احمدی اور غیر احمدی میں فرق: ص ۲۔